

# کلیت ساجد مجید احمد

طبع نو

روزِ رفت

ترتیب سومین جلد

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

روزِ رفتہ

مجید امجد

کتبِ مبینہ

<https://www.facebook.com/groups/764023263624351/>

# روزِ رفتہ

1932	1	موجِ تیسر
1933	2	اقبال
1-12-1933	3	ہوائی جہاز کو دیکھ کر
1933	4	آویہ خوشگوار نگاہ سے
1933	5	محبوبِ خدا سے
23-12-1933	6	رازِ کراں بہا
23-12-1935	7	کاؤں
1-11-1935	8	حالی
10-1936	9	لہرِ انقلاب کی
16-10-1936	10	محرومِ ازل
23-2-1937	11	عشق کی نیسیں جو مضرابِ دلک جاں ہو گئیں (غزل)
19-3-1937	12	نذرِ محبت (سامیت)
8-6-1937	13	پس پردہ
17-9-1937	14	نوداد
8-10-1937	15	جھٹک
27-10-1937	16	تیر سے بغیر
13-12-1937	17	سبکی دنیا
26-12-1937	18	شرط
8-1-1938	19	اقبال
22-1-1938	20	مطر پہ سے

## مجید امجد (سوانحی خاکہ)

مجید امجد ۲۹ جون ۱۹۱۳ء کو جنگ صدر (مکھیانہ) میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک غریب اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ابھی وہ دویس کے تھے جب ان کی والدہ اپنے شوہر سے الگ ہو کر میکے آ گئیں۔ امجد نے ابتدائی تعلیم اپنے نانا سے حاصل کی جن کا شمار جنگ کے صوفیا میں ہوتا تھا۔ گھر سے ملحقہ مسجد میں انہوں نے چند سال قرآن اسلامیات فارسی عربی اور طب وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔

۱۹۳۰ء میں میٹرک اور ۱۹۳۲ء میں انٹرمیڈیٹ کے امتحان اچھے نمبروں سے پاس کئے اور ۱۹۳۳ء میں اسلامیہ کالج (ریلوے روڈ) لاہور سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اُس زمانے میں دنیا عظیم اقتصادی بحران کا شکار تھی اس لئے ملازمتیں عنقا تھیں۔ مجید امجد جنگ میں ایک مقامی مفت روزہ اخبار ”عروج“ سے بطور مدد وابستہ ہو گئے۔ کچھ عرصہ کلرک کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ ۱۹۳۳ء میں دوسری عالمی جنگ کے دوران حکومت نے سول سپلائرز ڈیپارٹمنٹ قائم کیا۔ مجید امجد ٹیسٹ اور انٹرویو کے بعد منتخب ہوئے اور اسسٹنٹ انسپکٹر سول سپلائرز کے عہدے پر فائز ہوئے۔ بعد ازاں یہ کلرک فوڈ ڈیپارٹمنٹ کا حصہ بن گیا۔ مجید امجد آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے اسسٹنٹ فوڈ کنٹرولر بن گئے۔ انہوں نے بے شمار چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبوں میں کام کیا لیکن ملازمت کا زیادہ عرصہ منگمری (موجودہ ساہیوال) میں بسر ہوا۔ جہاں سے وہ ۲۸ جون ۱۹۷۲ء کو انٹائمس سال ملازمت کرنے کے بعد ریٹائر ہوئے۔

مجید امجد کی شادی ان کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی۔ بیوی سے ان کے تعلقات عمر بھر "خنک" رہے۔ بیوی جھنگ کے ایک سکول میں پڑھاتی تھی، امجد دوسرے مقامات پر ملازمت کرتے تھے اور شاذ و نادر ہی جھنگ جاتے تھے۔

امجد بڑے وسیع المطالعہ تھے بالخصوص فارسی اور انگریزی شاعری پر انہیں عبور حاصل تھا۔ سائنسی علوم کے مطالعے سے بھی شغف تھا۔ بہت کم گوشر میلے اور تنہائی پسند تھے۔ اپنی ذات اور شاعری کے بارے میں قطعاً گفتگو کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ حقیقی معنوں میں ان کا کوئی دوست نہیں تھا۔ وہ ملنے جلنے والوں سے "ذاتی معاملات" پر کبھی گفتگو نہیں کرتے تھے۔ انتہائی دیانت دار اور خود دار تھے۔

جوانی میں امجد خوش شکل تھے لیکن رفتہ رفتہ بیمار رہنے لگے اور بہت دبلے پتلے ہو گئے تھے۔ لہذا قد تھا اس لئے دبلا پے نے حسن صورت میں کمی کر دی تھی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن بہت دیر سے ملی اس لئے نوبت فاقہ کشی تک جا پہنچی تھی۔ اسی عالم میں ۱۱ مئی ۱۹۷۱ء کے اپنے کوارٹر واقع فرید ناؤن ساہیوال میں مردہ پائے گئے۔ تدفین اگلے روز جھنگ میں ہوئی۔ ان کی لوبہ مزار پر انہی کا یہ شعر کندہ ہے۔

کئی ہے عمر بہاروں کے سوگ میں امجد  
مری لحد پہ کھلیں جاوواں گلاب کے پھول

## شبِ رفتہ

مجید امجد کی زندگی میں ان کا ایک ہی مجموعہ "شبِ رفتہ" کے نام سے ۱۹۵۸ء میں نیا ادارہ لاہور کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ اس مجموعے کو ترتیب دیتے ہوئے امجد نے اپنا ابتدائی کلام یکسر خارج کر دیا تھا۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۳ء کے درمیان ان کی اکاڈمک نظمیں شائع ہونے لگی تھیں لیکن یہ شاعری انہوں نے شبِ رفتہ میں شامل نہیں کی۔ میرے نزدیک ان کا یہ فیصلہ بالکل درست تھا۔ ان کی نظم "حسن" ۱۹۳۵ء میں جوش ملیح آبادی کے رسالے "کلم" میں شائع ہوئی تھی۔ شبِ رفتہ کا آغاز انہوں نے اس نظم سے کرنا مناسب خیال کیا۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۸ء تک ان کا بہت سا کلام ادبی رسائل و جرائد میں باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ لیکن اسی سال جب شبِ رفتہ ترتیب دی گئی تو اس میں سے ایک کڑا انتخاب اس میں شامل کیا گیا۔ شبِ رفتہ میں شمولیت سے محروم رہ جانے والی بعض نظمیں بہت عمدہ ہیں مگر چونکہ "شبِ رفتہ" مجید امجد کی زندگی میں شائع ہونے والا ان کا واحد مجموعہ ہے اس لئے اس کی الگ شناخت برقرار رکھی گئی ہے۔ امجد نے شبِ رفتہ کو سننِ تخلیق کے مطابق مرتب نہیں کیا تھا لیکن میں نے اس مجموعے کی تمام نظموں کو سختی سے سنن کے مطابق ترتیب دیا ہے۔ زیرِ نظر کلیات کے اس حصے میں وہ تمام نظمیں شامل ہیں جو ۱۹۵۸ء میں طبع ہونے والی "شبِ رفتہ" میں موجود تھیں لیکن اب "تاریخ وار" ترتیب پانے کی وجہ سے کسی قدر آگے پیچھے ہو گئی ہیں۔

## روزِ رفتہ

مجید امجد نے جو کلام "شبِ رفتہ" میں کسی بھی وجہ سے شریک نہیں کیا تھا اُسے اس حصے میں شامل کیا گیا ہے۔ ان میں وہ شاعری بھی ہے جو انہوں نے زمانہ طالب علمی میں کی تھی۔ اور وہ کلام بھی ہے جو شبِ رفتہ میں شمولیت کا مستحق تو تھا مگر کئی وجوہ کی بنا پر شامل نہیں کیا گیا تھا۔ بعض جگہ یہ فیصلہ کرنا سہل نہیں کہ دونوں میں حد فاصل کس طرح قائم کی جائے اس لئے انہیں یکجا رکھا گیا ہے۔ گویا اس حصے میں ان کی ابتدائی اور زمانہ طالب علمی کی شاعری بھی شامل ہے اور شبِ رفتہ کے دور کی عمدہ شاعری بھی موجود ہے مگر چونکہ یہ

سارا کلام ان کے ذہنی ارتقا کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے اس لئے کلیات میں اس کی شمولیت کا کافی جواز موجود ہے۔ اس حصے کو ”باقیات“ کا عنوان دے کر کلیات کے آخر میں اس لئے جگہ نہیں دی گئی کہ مجید امجد ان میں سے کئی نظمیں اپنے مجموعہ کلام میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ بعض نہایت اہم نظموں کو بالکل آخر میں لگا دیا جاتا تو ان تک رسائی مشکل ہو جاتی اور ان کے نظر انداز ہونے کا خدشہ پیدا ہو جاتا (موجودہ اشاعت میں اس حصے میں بعض نظموں کا اضافہ بھی کیا گیا ہے)

### امروز

شب رفت کے بعد اگرچہ مجید امجد کا کوئی مجموعہ ان کی زندگی میں نہیں چھپا لیکن انہوں نے ایک ملاقات میں (جو ۱۹۷۲ء میں ہوئی) مجھے یہ بتایا تھا کہ شب رفت کے بعد انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کے دو مختلف مزاج ہیں اس لئے اس کے دو الگ الگ مجموعے شائع ہونے چاہئیں۔ ایک مجموعہ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۸ء تک کے کلام پر مشتمل ہو اور دوسرے میں ۱۹۶۸ء اور اس کے بعد کی تخلیقات شامل ہوں لیکن ”مجید امجد اشاعتی کمیٹی“ لاہور نے ”شب رفت کے بعد“ کے زیر عنوان جو مجموعہ ترتیب دیا اس میں شب رفت کے دور کے کچھ کلام کا انتخاب اور اس کی اشاعت کے بعد کئی ہوئی نظمیں یکجا کر دیں۔ اگرچہ یہ ترتیب مجید امجد کی فضا کے مطابق نہیں تھی تاہم غنیمت تھی۔ مشکل یہ آپڑی کہ اس میں اغلاط کی بھرمار تھی۔ میں نے بڑی محنت سے اس کا اغلاط نامہ تیار کیا تھا مگر یہ کتاب یوں غائب ہوئی کہ بعد میں کہیں نظر نہیں آئی۔ کلیات کی ترتیب نو میں مجید امجد کی خواہش کے مطابق ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۸ء کا کلام ”امروز“ کے نام سے اس حصے میں شامل کیا گیا ہے۔ ان کی بیشتر نمائندہ نظمیں اس میں موجود ہیں۔

### فردا

۱۹۶۸ء میں مجید امجد ”مطلعن فعلن“ کے آہنگ سے مکمل طور پر مسحور ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے یہ واردات میر تقی میر پر بھی گزری تھی جنہوں نے اس بحر میں دو تین سو غزلیں لکھ ڈالی تھیں۔ میر کے بعد یہ بحر امجد کے حزان کو اس آئی۔ چنانچہ وہ چھ سات سال تک

تمام نظمیں اسی بحر میں لکھتے چلے گئے۔ ان نظموں کے بارے میں عام قاری کی رائے ہے کہ یہ ان کی کمزور نظمیں ہیں جبکہ بعض مجیدہ قارئین اور وسیع المطالعہ ناقدین کے خیال میں یہ ان کی بہترین تخلیقات ہیں۔ بہر حال یہ مستقبل کی تضمیں ہیں اور ان کی حیثیت کا تعین آنے والا زمانہ کرے گا۔

مذکورہ بالا چاروں حصوں میں سے ”شبِ رفت“ اور ”روزِ رفت“ قریب قریب ایک ہی زمانی وقفہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۹۳۲ء تا ۱۹۵۸ء کے دوران تخلیق ہوئے ہیں۔ انھیں الگ کرنے کا جواز وہی ہے جو طور بالا میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ”امروز“ اور ”فردا“ میں وہ کلام ترتیب دیا گیا ہے جو ۱۹۵۹ء سے ۱۹۷۴ء کے درمیان صفحہ قرطاس پر منتقل ہوا ہے اور چونکہ وہ مختلف طرز اور اسلوب رکھتا ہے اس لئے دو الگ الگ حصوں میں مرتب کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ ”شبِ رفت“ مجید امجد کا اپنا رکھا ہوا نام ہے جبکہ ”روزِ رفت“، ”امروز“ اور ”فردا“ کے عنوانات مرتب نے قائم کیے ہیں۔ قارئین کی سہولت کے لیے تمام کلام پر سننِ تخلیق درج کر دیے گئے ہیں۔

کلیاتِ مجید امجد کی اشاعتِ اول کے وقت اس کے ناشر اور ”مردف“ شاعر جناب خالد شریف نے ”عرضِ ناشر“ کے زیرِ عنوان میرے اس کام کو ذیل کے الفاظ میں خراجِ تحسین ادا کیا تھا:

”تین سال قبل جب میں نے ڈاکٹر خولہ محمد زکریا صاحب سے مجید امجد کے کلام کی ترتیب و تدوین کی درخواست کی تو مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اس کام کو اس قدر سنجیدگی سے لیں گے۔ مجھے صرف یہ معلوم تھا کہ خولہ صاحب کے پاس مجید امجد کا کچھ غیر مطبوعہ کلام ہے۔ پھر یاد دہانیوں تقاضوں اور ملاقاتوں کا ایک طویل سلسلہ جو چلا تو معلوم ہوا کہ مجید امجد کا سارا مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام خولہ صاحب کو محفوظ ہے۔ مسودے کی تیاری کتابت شدہ مواد کی پروف ریڈنگ اور بعد کے مراحل میں انہوں نے جس باریک بینی اور عرق ریزی سے کام لیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کی اس توجہ کے باعث ہم میں سے



جہاں دوست یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ خوبصورت صاحب کو بی ایچ ڈی کی ڈگری تو  
در سسل اس کام پر ملنی چاہیے تھی۔

ان سے یہ جھلے میرے لیے اعزاز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر میری محنت اور ایک بی بی  
اور حلقہ ریڈی اعزاز ہی رہی۔

اس موقع پر مناسب ہوگا کہ میں نے مجید امجد کے کلام کو جمع کرنے اور ترتیب دینے  
میں جو محنت اور جستجو کی اس کا ایک سرسری حال بیان کر دوں۔

۱۹۷۲ء میں میں نے مجید امجد کا ایک انٹرویو سانیڈال میں ان کے مکان پر ریکارڈ کیا  
تھا۔ اس وقت میں نے انھیں کسی مایوسی یا دوجھوے شائع کروانے کی  
پیشکش کی۔ وہ راضی ہو گئے اور وعدہ کیا کہ وہ دو مجموعوں کو حتمی شکل دیں گے۔ ان کی  
خواہش یہ تھی کہ ایک مجموعہ شبِ رفت کے بعد سے ۱۹۶۸ء تک کے کلام پر مشتمل ہو اور دوسرا  
مجموعہ ”افعلن فعلن“ والی بحر میں کبھی گئی نظموں سے ترتیب پائے۔ ان دنوں مجید امجد کی  
صحت بہت خراب رہنے لگی تھی۔ میں نے اصرار کیا وہ موٹی موٹی کاپیاں غویہ بن اور ان میں  
ان کا تمام کلام مختلف قہرائے سے حاصل کر کے نکتہ شروں کر دیا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو یہ  
کاپیاں بھر گئی تھیں۔ اس دوران میری ملاقات کسریٰ مناس (اب مرحومہ) سے ہوئی۔  
رفت رفت ان سے میرے نیاز مندانه مراسم استوار ہوئے۔ انہوں نے مجھے یہ سرف  
”وہ“ ہنگ کی فائلیں دکھائیں بلکہ امجد کا پتہ پور کلام بھی فراہم کیا۔ پھر جناب جاوید  
قریشی کی عنایت سے مجید امجد کے مسودات میری نظر سے گزرے۔ میں نے اس سارے  
انمول خزانے کو بہت وقت صرف کر کے ترتیب دیا۔ بعض نظموں کے سہین تخلیقی امجد  
مصائب نے تحریر نہیں کئے تھے۔ انہیں تلاش کر کے خلا پر کیے۔ ریڈی جستجو کے بعد میں اس  
قائم ہوئے کہ تمام کلام کو تاریخی ترتیب سے یکجا کر سوں۔ اس سے بعد مسئلہ یہ تھا کہ امجد  
صاحب اپنے کلام پر مسلسل محنت کرتے رہتے تھے۔ ترمیم و تفتیش کا یہ عمل فیہ ختم تھو نتیجہ یہ  
کہ بعض نظموں کے ایک سے زیادہ ”ورژن“ موجود تھے۔ ان میں سے کون سا ”ورژن“  
شرعی مشائے مطابق تھا اور کون سا نہیں تھا؟ اس الجھن کو سلجھانا سہل نہیں تھا۔ اکثر جگہ  
میں نے آخری ”ورژن“ کو ترجیح دی مگر چند نظموں میں اولیٰ ورژن بہتر و حلیم ہوا اس

یہ اس کو اختیار کیا گیا۔ مجید امجد کی بہت سی نظموں میں لفظی تبدیلیاں ملتی ہیں۔ رسائل میں پہلی دفعہ اور طرح سے شائع ہوئی ہیں اور بعد میں چند الفاظ تبدیل کر کے قدرے مختلف صورت میں چھپوا دی گئی ہیں۔ بعض اوقات یہ فیصلہ کرنا بھی آسان نہیں کہ آگے پیچھے مختلف رسائل میں چھپنے والی نظموں میں سے آخری ورژن کون سا ہے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے چند ماہ بعد چھپنے والی نظم ترمیم کے مراحل سے چند ماہ پہلے گزر چکی ہو۔ ان الجنوں کو تقابلی مطالعے کے بعد سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک اور بڑا مسئلہ بعض الفاظ کی صحت یا عدم صحت کا ہے۔ امجد کے ہاں متعدد غیر مستعمل الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ بعض الفاظ اور تراکیب انہوں نے خود تراش لی ہیں۔ اس لئے رسائل میں مدبر اور کاتب انہیں درست پڑھ نہیں سکتے۔ چنانچہ متعدد الفاظ بار بار غلط نقل ہوتے رہتے ہیں۔ میں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ اس قسم کی لفظی الجنوں کو جہاں تک ممکن ہو سکے سلجھایا جائے۔ اس طول کلامی کے بعد شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ کلیات مجید امجد محض جلد بازی میں جمع کیا ہوا ہتیارہ نہیں ہے بلکہ تلاش، تجسس، تحقیق اور توجہ سے شیرازہ بند کیا ہوا مجموعہ ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ یہ کلام مجید امجد پر تنقید کے لئے ایک مضبوط بنیاد ثابت ہو چکا ہے۔ اُمید ہے اس کا موجودہ ایڈیشن پہلے سے زیادہ پسند کیا جائے گا۔

الحمد پہلی کیشنز کے صفدر حسین صاحب میرے عزیز دوست ہیں۔ کلیات مجید امجد کی یہ اشاعتوں ان کے ذوق طباعت کی عکاسی کرتی ہے۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس ضخیم کلیات کی اشاعت کا اہتمام کیا اور اسے عام قاری کی دسترس میں رکھنے کی سعی کی۔

خواجہ محمد زکریا

۶ ستمبر ۲۰۰۳ء

## موجِ تبسم

ستاروں کو نہ آتا تھا انہی تک مسرور  
 "یہ سن رہی ہیں یہاں غمگین مجھ کا اکبر"  
 "سب سے پہلے نہیں پہنچتے، تھے تو تم سے"  
 "پانی دیا نہ تھا اب تک تھناں سے گرم سے"  
 "نہ پرانے تھے جتے نئے ساروں سے شادوں میں"  
 "نہ آئی تھی جی ہوتے یہ نئے جوں شادوں میں"  
 "ابھی کیوہو اور برائی میں وہ ساتی تھی"  
 "نہ پہلی یوں شہر پر اور زمین سبز ہوتی تھی"  
 "نہ اب تک ارتقا شہر تھا پر پڑا ہے شادوں میں"  
 "نہ اب تک ٹوٹنے پڑے تھے نئے فخر داروں میں"  
 "نہ اب تک آسائیں چتر میں سے رہتی تھیں"  
 "نہ اب تک ٹٹے اٹھنے میں یوں راتیں انہی فوج تھیں"  
 "کبھی تھا نہ دل اب تک شہر میں مٹا نہ گشت و"  
 "نہ چھینا تھا انہی تک سننے اپنا ساز گشت و"

اچھی تیرہوں کو ترش ہی میں ڈالے دیتا کیونکہ  
 کھڑا خان کماں کو تو سنہلے دیتا کیونکہ  
 جہاں پر خمر تھی ایک ہیٹ خیز خاموشی  
 مصیبت ریز خوف آمیز موس انگیز خاموشی  
 یکایک بکریاں ٹوٹیں فحش بزم ہستی میں  
 ہمارے جاگ اٹھے نکتے اس دنیا کی ہستی میں  
 خموشی پر سکوں حاتمہ میں دوزی راج بیتابی  
 ہونی بہ زور و رقص میں پیدا شان سیما بی  
 سمندر کی روانی ہو گئی تبدیل طوفاں میں  
 پڑا نورس گلوں کے قہقہوں کا غل گلستاں میں  
 شبستانوں سے رندوں کی صدا ت باہو انہی  
 دبستانوں سے جابل کی نوائے باہو اٹھی  
 پکٹنے لگ گئی سر جوئے ساری چادروں سے  
 مچل کر بھیاں ٹوٹیں زمیں پر آسمانوں سے  
 اٹھیا شور افزا آبشاروں نے رباب اپنا  
 ستا گاکے ہزرے کو گزشتہ شب کا خواب اپنا  
 حیات تازہ یوں دوزی دلوں کی کائناتوں میں  
 کہ جیسے برق چمکے برشگالی کالی راتوں میں

یہ ہستی میں کیف و نور کا سیل رواں آیا  
 ریش و بہر میں اک رنگ و بو کا کارواں آیا  
 جہاں بس رو گیا بن بر جسم کیف و سرمستی  
 نشوں کی ایک دنیا اور کیفیات کی ہستی  
 فلک اک گنبد زریں زمیں اک بقعہ نوریں  
 یہ ساری کائنات شش بہت اک جلوہ نہیں  
 یہ موج بحر امکان جلوہ موج تبسم ہے  
 چمک کر جو ترے لب پر فوغا افزائے عالم ہے  
 تبسم جس کی رقیبتی ترے ہونٹوں پہ رقصاں ہے  
 تبسم آدہ جس کا رقص مغرباں رگ جاں ہے

## اقبال

اقبال آئیوں نہ تجھ کو نہیں شاعر حیات  
 ہے تیرا قلب محرم اسرار کائنات  
 سرگرمی دوام ہے تیرے لیے حیات  
 میدان کارزار ہے تجھ کو یہ کائنات  
 مشرق ترقی نظر میں ہے امید کا افق  
 مغرب ترقی نگاہ میں ہے غرق سیات  
 یورپ کی ساری شوخیاں تیرے لیے سراب  
 بنکامہ تمدن افرنگ ہے بے ثبات  
 اسلامیوں کے فلسفے میں دیکھتا ہے تو  
 مظلوم کائنات کی واحد رو نجات  
 تیرا کلام جس کو کہ بانگ درا نہیں  
 ہیں اس کے نقطے نقطے میں قرآن کے نکات  
 بھولے ہوؤں کو تونے دیا درج زندگی  
 زیبا ہے رُہیں تجھے خضر و حیات  
 سینے میں تیرے عشق کی بیتاب شوخیاں  
 محفل میں تیری قدس کی رقص تجلیات  
 غریباں تیری نگاہ میں اسرار کن فکاں  
 مضمحل ترے ضمیر میں تقدیر کائنات

دُنیا کا ایک شاعر اعظم کہیں تجھے

اسلام کی کچھار کا صیغہ کہیں تجھے

## ہوائی جہاز کو دیکھ کر

یہ تہذیب اور سائنس کی ترقی کا زمانہ ہے      مہرے گاہیں بجو سب تک مندوں کی طرح انہاں  
یہ علم و دانش و حکمت کا ہوائی سارِ شہ ہے      ہوا میں لُٹ گیا اڑنے پرندوں کی طرح انہاں

وہ دیکھو ہیں فضا میں مائل پرواز طیارے      رُجے اُٹھو متے اُترتے سنبھلتے اور چہرات  
فضائے سماں کی سیر کرنے والے سیارے      وہ دیکھو جا رہے ہیں نہاتے ٹونجتے گات

اُدھر وہ خوش نصیب اور صاحبِ قبل انسان ہیں      جنہیں بخشی گئی ان برقِ پروں کی عنایں یہی  
اُدھر وہ ذوقِ عظم و فن سے مالا مال انسان ہیں      جنہیں سوئی گئی دنیا کی حکمت کی جہانِ یہی

وہ ہم لوگ ہیں کیفیتِ فکر و نظرِ جن کی      جہاں میں قوتِ پرواز سے محروم رہتی ہے  
اُدھر ہم لوگ ہیں دنیا میں جنسی مصلحتِ ہستی      حیاتِ جاوداں کے راز سے محروم رہتی ہے

اگر یہ آرزو انسان کے دل میں جلوہ گر ہوگی      کہ چھن جائے نہ ہمیشہ سرمدی کی زمیں اس سے  
تو اس کی زندگی تابندہ تر پائندہ تر ہوگی      فقط سعی مسلسل سے فقط ذوقِ تجسس سے

## آہ یہ خوش گوار نظارے!

خوب صورت، بلند اور شاداب	سافلی کیا ہے اک پہاڑی ہے
رقص کرتے ہیں سایہ ہائے سحاب	اس کی چھیں برجیں چنانوں پر
ایک سویا ہوا جہان شباب	اس کی خاموش وادیاں، یعنی
آسماں ایک سرنگوں محراب	اس کی سقف بند کے آگے
جیسے بھولا ہوا طلسمی خواب	شام کے وقت کوہ کا منظر
پھوٹتا، پھیلتا ہوا سیماب	نچھومتے، ناچتے ہوئے چشمے
پتھروں سے پٹے ہوئے تالاب	دوب کی ریچکتی ہوئی بلیں

آہ یہ خوش گوار نظارے

خند کے شاہکار نظارے



چیل کے اُف یہ بے شمار درخت      اور یہ ان کی غنیریں بو ہاں  
 سنبلیمیں کونپلوں سے چھتے ہوئے      یہ نسیم شمال کے انداس  
 سایہ ہائے دراز کے نیچے      سرنگوں جہازوں کا خوف و ہراس  
 چیل کی چونیوں پہ صبح کے وقت      سبز پتوں کا زرنکار ہاں  
 یہ دھنواں جھونپڑوں سے اُٹھتا ہوا      کوہ کے اس طرف افق کے پاس  
 یہ بہرتی ہوئی گھٹا کا سماں      قلب شعر پہ بارش احساس  
 آہ یہ خوش گوار نظارے  
 خلد کے شاہکار نظارے

مرغزاروں میں تا بحمد نظر      طف افزا فضا مہکتی ہوئی  
 شب کو دہقان کے ٹکے جھونٹے سے      سرخ سی روشنی جھلکتی ہوئی  
 ابر میں کوندتی ہوئی بجلی      دامن آتشیں جھنکتی ہوئی  
 کوہ کی سر بلند چوٹی سے      اک نئی تازگی پہنچتی ہوئی  
 آہ یہ خوش گوار نظارے  
 خلد کے شاہکار نظارے

وادیوں کا ہر ایک خار حقیر      امتدادِ زمانہ کی تصویر  
 قدسیوں کی ادائے کج نگہی      صبح کے آفتاب کی تصویر  
 جلوہ بائے شفق کی غریانی      ایک رنگین خواب کی تعبیر  
 زمہیری ہوا کے جھونکوں سے      ڈبڈبائی ہوئی سی چشم اشیر

آہ یہ خوش گوار نظارے

غلہ کے شاہکار نظارے

چاہتا ہوں کہ اپنی ہستی کو      سردی کیف میں ڈبو جاؤں  
 چاہتا ہوں کہ ان فضاؤں کی      وسعت بیکراں میں کھو جاؤں  
 ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں      جذب ہو جاؤں جذب ہو جاؤں

آہ یہ خوش گوار نظارے

غلہ کے شاہکار نظارے

## محبوب خدا سے

نہ بہارِ گلستانِ معرفت	یعنی اے روح و روانِ معرفت
تیرے دل میں جلوۂ رب جمیل	تیری محفل میں سرودِ جبرئیل
اہتمام و انتہائے کائنات	تیری اک ادنیٰ نگاہِ التفات
قربِ یارب درمہ یزداں ہے تو	ساتی غم خانہ عرفاں ہے تو
جھک رہا ہے تیرے در پر آسمان	چومتا ہے تیرے قدموں کو جہاں
ترسیمِ دل کی کلیں کھل گئیں	بد نصیبوں کو مرادیں مل گئیں
تیری چوکھٹ پر جھکی جس کی جبین	ہو گیا اس کے جہاں زیرِ تلمیں
میں سمجھتا ہوں کہ تیری خاک پا	کیا ہے کیا ہے کیا ہے
مجھ پہ گر تو لطف فرمائی کرے	بخت میرا تازہ دارائی کرے
میں بھی ہوں اک نہدِ عصیانِ شعلہ	کشتہ جوہر و جفائے روزگار
میں بھی تیرا بستہ فتراک ہوں	کس قدر غمگین ہوں غمناک ہوں
میں زمانے بھر سے ٹھکرایا گیا	میں ہراک محفل سے اٹھوایا گیا
درمہ عالم سے دھکارا ہوا	بخت اور تقدیر کا مارا ہوا
اب تیرے دربار میں آیا ہوں میں	دل میں لاکھوں حسرتیں لایا ہوں میں

مجھ کو یہ غم ہے وہ اک لمحہ نایاب کہ جو  
 حاصلِ مسطنتِ عالمِ امرکاتی ہے  
 شبِ مری زیست سے غم کے جسم ہو بھی گیا تب مجھے معلوم ہوا  
 تب میں سمجھا کہ یہ راتیں 'یہ گھر وندے' یہ چھکتی دنیا  
 اب یہ سب چھوٹا جاویدن اک دھڑکن ہے  
 بے یابی زخم ہیں اور شعلہ گس رانی ہے

آج بھی بس نہیں رستے میں 'کسی موز' کسی منزل پر  
 کسی دیوار سے غم بھی پھسل جاتا ہے  
 کوئی دامن کہ جسے ناز گل افشانی ہے  
 دھوپ میں سوکھتی خرم کی چنگیہاں سے بھرے کونھوں سے  
 ایک پل سے نے اڑتا ہے سنتا ہے تو دھیرے دھیرے  
 کوئی سنی مرے حساس میں بھر جاتی ہے  
 تارِ بربط کی کوئی مرزوش پھانی سے

جو شبِ دروز کے پواں میں فغاں بن کے بکھر جاتی ہے  
 آسمانوں سے زمینوں سے کسی دل کے دھڑکنے کا صدا آتی ہے  
 کوئی پیچھے سے مرے کان میں کہہ جاتا ہے  
 سنتے سناں کی یہ آواز ہے بچپنی ہے

اپنی شان خسروئی کا واسطے	تجہ • میری بے بسی کا واسطے
رحمت بادید کا پیغام دے	مرہبانوں زندگی کا جام دے
آسرا تیرے سوا کوئی نہیں	اب زمانے میں مرا کوئی نہیں
میرے دل کا مدعا تو ہی تو ہے	اک فقط درد آشنا تو ہی تو ہے
بہترین سرکار میں آتا ہوں میں	بہتر سہر باد میں آتا ہوں میں
منزل مقصود کو پاتا ہوں میں	عظمت مشقہ کو پاتا ہوں میں
بھولیں تجھ سے بے جا ہوں میں	تیرے آگے ہاتھ پھیلاتا ہوں میں
روح کی تابندگی تو ہی تو ہے	زندگی کی زندگی تو ہی تو ہے

میرے دل کو مہیلا افوار کر

مجھ کو بھی بینندہ اسرار کر

## رازی گراں بہا

نہ رہنما سے تعلق نہ راستہ معلوم      ترے جنوں تجسس کا منہبہ معلوم  
 نہ آرزوئے ترقی نہ جستجوئے کمال      ترقی حیات کا مقصد ہے کیا خدا معلوم  
 یہی ہے حال اگر پستی عراجم کا      مال خوابش تکمیل ارتقا معلوم  
 نہاں ہے محنت جہنم میں راحت جاوید      نہیں ہے تجھ کو یہ راز گراں بہا معلوم  
 تو اجتماع مصائب سے ڈر رہا ہے کیوں      نہیں تحمل آفات کا صلا معلوم

حریم قدس کی رنگینیوں کا مرکز ہے

وہ دل کہ جس کو نہیں خوف ماسوا معلوم

## گاؤں

یہ تنگ و تاریک جھونپڑیاں گھاس پھوس کی  
 ان جھونپڑیوں سے ڈھلور اس پد کھیت کے  
 یہ سادگی کے رنگ میں ڈوبا ہوا جہاں  
 یہ دو پہر کو ٹیکروس کی چھاؤں کے تلے  
 ریوڑ یہ بھیڑ بکریوں کے اوندھتے ہوئے  
 یہ آنڈھیوں کے خوف سے بھی ہوئی فضا  
 یہ شام کے مناظر رتھیں کی خامشی  
 بچے غبار را بگزر پھنکتے ہوئے  
 برفاب کے دینے اگلتا ہوا کنواں  
 یہ کھیت یہ درخت یہ شاداب گرد و پیش  
 مست شباب کھیتوں کی گلشنیاں  
 یہ نزہت مظاہر قدرت کی جلوہ گر  
 اب تک جنھیں ہوا نہ تمدن کی چھو سکی  
 یہ جھڑیوں کے جھنڈ یہ انہر ریت کے  
 بنکامہ جہاں ہے سکوں آشنا جہاں  
 گرمی سے باہتی ہوئی بھینسوں کے سسے  
 جھک کر ہر ایک چیز کی بوسہ جھکتے ہوئے  
 جنگل کی جھاڑیوں سے سکتی ہوئی ہوا  
 اور اس میں گونجتی ہوئی جھینگر کی راغنی  
 میدان میں مویشیوں کو ہانکتے ہوئے  
 یہ تھنمر دؤں کی تال پہ چلتا ہوا کنواں  
 سیلاب رنگ دیو سے یہ سیراب گرد و پیش  
 دوشیزہ بہار کی انجھتی جوانیاں  
 ہاں ہاں یہ حسن شاہد فطرت کی جلوہ گر

دنیا میں جس کو کہتے ہیں گاؤں یہی تو ہے

طوبی کی شاخ ہنر کی چھاؤں یہی تو ہے

## حالی

مسدس کا مصنف شاعر ہیں حالی ، وہ حلی انداز میں کشن مندوستان حالی  
 قدم کی ٹوک سے جس نے رہا ہوتا وہ چھینے حریم قدس کا وہ طرب شیعہ یہاں حالی  
 جہاں آرا نظر جس کی رموز آگاہ جس کا ۱۰۰ اسرار معارف کا محیط پیراں حالی  
 قلمبست سحر سے جیسے قدم چمکے وہ حلی ہیں وہی شخصیت تراش نشان حالی  
 وہی حالی جسے انا سے راز زندگی کہہ دیں

نئے سرمایہ سوز و مداز زندگی کہہ دیں

وہ حلی چھوڑ کر جس نے مانی ہمیں گل کی بجلا کر قتل و جد آفرین مین نہ مل کی  
 نئے انداز سے چھیننے کی فضیلت بزم عالم میں حدیث دل فروز اسلام کے شان و تجمل کی  
 وہ حلی توڑ کر جس نے عطر مسوہ چپیاں وہ حلی شان مومن زندگی کے تسلسل کی  
 وہ حلی جس نے تھکے ہاتھ بے رُس بیکہ بدلی سنن و استاں اوضاع ملت کے تقطیل کی  
 وہ حلی جس کے آنے سے جہاں میں انقلاب آیا

وہ جس کے شعر سے ہندوستان میں انقلاب آیا



وہی حالی جو سوتوں کو چکانے کیلئے آیا وہی حالی جو مڑوں کو جانے کیلئے آیا  
 جسے حیرانے بھٹکے کھنڈی خنڈوں نے چھینے تھے نئی لے میں اسی نئے رنگانے کیلئے آیا  
 وہ حالی ہیں وہ مرد حق جو غرستانِ عالم میں خدا کے جام کا لڈکا بجانے کیلئے آیا  
 وہ حالی وہ معلم کتبِ احاطِ ملت کا جو ہر انسان کو انساں بنانے کیلئے آیا  
 وہ حالی جو حیدر و قار زندگانی ہے

سرور جاودانی ہے بہار زندگانی ہے

وہی حالی جو اذکار و فصاحت کیلئے آیا وہی حالی جو ارشاد و ہدایت کیلئے آیا  
 وہی شاعر کہ جس نے شعر کی طرزِ زمین بدلی وہی ناقد جو تبلیغِ صداقت کیلئے آیا  
 وہی رہبر کہ جس نے گمراہوں کی رہنمائی کی وہی مصلح جو فلاحِ ملت و ملت کیلئے آیا  
 وہ فخرِ ایشیا، مہرِ سپہرِ شاعریِ حالی وہ مرد حق جو اظہارِ حقیقت کیلئے آیا  
 وہ جس کے فکرِ کینف انداز نے موتی لٹائے ہیں

وہ جس کے خامہ محرّ آفریں نے گل کھلائے ہیں

وہی حالی کہ جو آئینہ دارِ باکمالی ہے نظیرِ بے نظیری ہے مثالِ ہمثالی ہے  
 وہی حالی کہ جسکی شاعری سلسلہ آئی ہے زباں آبِ زلالی ہے بیاں بحرِ حلالی ہے  
 وہ جسکے قلب میں ہنگامہ دردِ نہانی ہے وہ جسکی روح میں سرستیِ تخیلِ عالی ہے  
 ہے رفوِ میتِ ہندوستان کا ترجمانِ کوئی یقیں رکھو یقین رکھو وہ حالی ہے وہ حالی ہے

اسی حالی اسی حالی کی یہ صد سالہ برسی ہے

جہی تو چار سو شانِ جمالی جلوہ گری ہے

اسی حالی اسی حال کا ہے یہ نشہ سدا رہا۔      کبھی تو جنت ہے ہندوستان کی شان و ہر  
 اسے چھوٹے سرائے میں بزم میں مراد بھی      جنت و جہنم کی سر کی محبت میں سے تار  
 ابھی تک جہاں ہے تیار مذہب ملت      کلام حق مرحوم کا ہے پاب و  
 ابھی تک ہے وہی جیسی فیروز ری جوئی      کلام حق مرحوم ہے وہ وہ وہ  
 کلام حق مرحوم اک نچ مونی ہے  
 جو ادبیات میں اک شام کا رخیہ فانی ہے

ابھی تک چل رہا ہے میکے میں جام حق کا      ابھی تک مرزا تقدیر میں ہے پیغام حق کا  
 ابھی بھولے نہیں ہیں جہاں احسان حق کے      زمیں سے آسمان تک غفلت ہے عام حق کا  
 اسی جانب رواں ہیں قافلے اقوام عالم کے      بڑھ چکا جس منزل مقصد کی جانب کلام حق کا  
 ابھی تک ان فضلاء میں ہے مضمون ملحق      ابھی تک چشماں ایتا پسوں میں نام حق کا  
 ابھی تک آ رہی ہے عرش سے آواز حالی کی  
 ابھی تک کان سنتے ہیں نوائے راز حالی کی

سپر زندگی کا صوفیوں کا بید ہے حالی      نہیں اسر مظلہ امید کا خورشید ہے حالی  
 پیام دولہ انگیز اس کا من نہیں سکتا      جہاں زندگی میں زندہ جاوید ہے حالی  
 اگر اب بھی نہیں سمجھے تو لو میں بر ملا کہہ دوں      اجی اک آنے والے دور کی تمہید ہے حالی  
 چلے گا حشر تک بزم جہاں میں جام حالی کا  
 رہے گا ثبت لوح کن فکاں پر نام حالی کا

## لہر انقلاب کی

حالت بد رہی ہے جہاں خراب کی      لہر ا رہی ہے دہر میں ہر انقلاب کی  
 تخریب جس کی حدت و شدت کا نام ہے      دنیا میں پھر نمود ہے اس اضطراب کی  
 سامنے کے نظام کا انجام ہے قریب      اب اس کی زندگی ہے کہ ہستی حباب کی  
 پنچا ہے اختتام پہ دور ملکیت      حد بھی تو ہو کوئی ستم ہے حساب کی  
 بوڑھوں کی مصلحت کو بھلا پوچھتا ہے کون      سر جوشیاں ہیں جوش پہ روح شباب کی  
 اس عہد کے جوان جواں عزم کے لیے      تہذیب نو ہے ایک جگہ سراپ کی  
 پھر جاگ اٹھا ہے جذبہ آزادی وطن      تعبیر اور کیا ہو غلامی کے خواب کی

امجد تو آنے والے تغیر کو بھانپ جا

مستقبل مہیب کی ہیبت سے کانپ جا

## محرومِ ازل

عرصہ کونین میں کچھ بھی نہیں میرے لیے  
خاک ہیں فرشِ زمیں عرشِ بریں میرے لیے  
اک جہاں کے واسطے ہے اک جہانِ انبساط  
اور ہے اشکوں میں ڈوبی آستیں میرے لیے  
دوسروں کے واسطے تاج و سریر و آستان  
بندۂ مجبور کی عاجز جبین میرے لیے  
رات بھر دورِ شرابِ ارغواں ان کے لیے  
صبح کو محفل کے خالی سائیں میرے لیے  
اس خیالِ خام کو رہنے بھی دے آخرِ شناس  
آسمان کی دستوں میں کچھ نہیں میرے لیے

## غزل

عشق کی ٹیسس جو مضراب رگ جاں ہو گئیں  
روت کی مدہوش بیداری کا ساماں ہو گئیں

پیار کی مینھی نظر سے تو نے جب دیکھا مجھے  
تمہیں سب زندگی کی لطف ساماں ہو گئیں

اب لب رتہیں پہ نوریں مسکراہٹ؟ کیا کہوں  
بجلیاں گویا شفق زاروں میں رقصاں ہو گئیں

ماجرائے شوق کی بے باکیاں ان پر نثار  
ہائے وہ آنکھیں جو ضبطِ غم میں گریاں ہو گئیں

چھ گئیں دشواریوں پر میری سہل انگاریاں  
مشکلوں کا اک خیال آیا کہ آساں ہو گئیں

## نذر محبت

( نازیب )

میں رہتا ہوں مری آنکھوں سے جو آنسو پلتے ہیں  
 پروتے ہیں بڑی بڑی موتیوں کی تہاڑیوں میں  
 یہ موتی جن میں نورِ قدس ہے جو کہ جھلکتے ہیں  
 یہ موتی جو ستارے ہیں عروسِ شب سے انہیں میں  
 یہ موتی جو فرارِ مازِ اغت سے آتے ہیں  
 بکارتے ہیں جلیبوں آنکھوں کی جواہر میں

مری سستی کا سرمایہ ہیں یہ در آفرین موتی  
 کہ ملکِ مانتوں بھی جن کی قیمت ہو نہیں سکتی  
 انہی کی موتیوں کو تہہ جہان میں رسوں کا  
 اور آخر میں خاکِ نہیں ماب میں پروں کا  
 ترے قدموں میں گر رہا یہ ممدار کی حسین، یابی  
 اسی ماما کو میں ترے گلے میں لے لے لے لے لے لے  
 اور اپنی زندگی کے آخری مقصد و پیمان کا

## پس پردہ

میری قیام گاہ کی سمت جنوب مغربی  
 جس میں کہ خار و خس کی ہے چھوٹی سی ایک جھونپڑی  
 اس کے درختوں پر پردہ ہے اک پس پردہ  
 پیمید سے جس کے جھانک کر دیکھ دیتے (منہ)  
 کانے کا دودھ دودھ کر رہی ہے وہ آگ پر  
 میرے قدم کی چاپ پر آگنی واپہ بیک کر  
 سبھی ہوئی کھڑی ہے وہ ساحر و صنف جاں  
 سانس سے اس کی رزشیں پردہ پر پہنچیں  
 دیکھ رہی ہے وہ مجھے ہنستی ہوئی نگاہ سے  
 ہنستی ہوئی نگاہ کی تابش ہے پناہ سے

## نوارو

ناز نہیں ، اجنبی شہر محبت ہوں میں      میں تیرے دیس کے اطوار سے ناواقف ہوں  
 بیدار شوق کی بیباک نگاہوں پہ نہ جا      کیا کروں جراتِ گفتار سے ناواقف ہوں  
 چلے پڑا ہوں ترے دامن کو پکڑ کر لیکن      اس کنھن جادو پر خار سے ناواقف ہوں  
 مسرت ہوں عشرتِ آغاز کی سرمستی میں      میں ابھی عاقبتِ کار سے ناواقف ہوں  
 سوچ نہیں ہے تری زلفوں سے ابھی مجھے جنوں      ابھی دامن کے پھٹے تار سے ناواقف ہوں  
 دیکھ لوں تجھ کو تو بے ساختہ پیارا آتا ہے      پیارا آتا ہے مگر پیار سے ناواقف ہوں  
 دل میں یہ جذبہ بیدار ہے کیا؟ تو ہی بتا      میں تو اس جذبہ بیدار سے ناواقف ہوں

اک مسافر ہوں ترے دیس میں آنکا ہوں

اور ترے دیس کے اطوار سے ناواقف ہوں



## جھنگ

یہ خاکداں جو بیوی ہے ظلمتوں کا یہ سرزمین جو ہے نقشہِ عجیم سوزاں کا  
یہ تنگ و تنہا دوسے رنگ و بودیاں مہیب یہ طرہِ شہِ عجیب و غریب و خفتہ نصیب  
یہاں خیال ہے محرومِ امتیازِ حیات یہاں حیات ہے وزخ کی آہِ کالی رات  
یہاں پہ دردِ دروں کی دوا نہیں ملتی یہاں پہ قلب و نظر کو خدا نہیں ملتی  
یہاں کلیدِ حقیقت نہیں کسی کے پاس یہاں کے تجھے حسد اور عداوت اور افتاد  
یہاں ارادہ و ہمت کی وسعتیں محدود یہاں عروج و ترقی کے راستے مسدود  
ہر اک بشر ہے یہاں تنگستوں کے قریب بلند یوں سے بہت دور پستیوں کے قریب  
یہاں نہ روح کو راحت یہاں نہ دل کو سرور یہاں ہے طائر پر بست آدمی کا شعور  
یہاں نہ پرورشِ شوقِ علم کے امکان یہاں نہ تربیتِ ذوقِ شعر کے سماں  
کبھی سے پاپ کی بھٹی میں سڑ رہا ہوں میں  
ندیمِ جھنگ سے اب تنگ آ گیا ہوں میں

## تیرے بغیر

رندی بنا ہوا سرخواب ہے تیرے بغیر  
ساروں اک سارے مسخراپ ہے تیرے بغیر  
روشن بزمی مٹی کے تارے تیرے بغیر  
آنکھوں روٹی ہوئی ہے خواب ہے تیرے بغیر  
بے فکریاں رات آسمان ہے جو چہرہ بھی ہو  
نہی غم کرنے کی کس کو خواب ہے تیرے بغیر  
دشمن و دوستی جو حیات  
رندی کے قدموں پر ہے تیرے بغیر  
مٹی چوں پہ رہا راہیگاں رہ آتش  
دل کا کاک آتش، خونخوار ہے تیرے بغیر  
پر مے بند بات و دہریہوں بھر دیاں  
یہ ہے بے خواب در خواب ہے تیرے بغیر

میری پائیڑ و جوانی نہ فہمیاں ہونہ جاے  
 جس تقدیس و فائیتیب ہے تیرے بغیر  
 چاند کی کرنوں کے زینوں پر قدم سہرتی ہوئی  
 آنجی جا سنی شب مہتاب ہے تیرے بغیر  
 آکے پھر اس آسمان کو ختم، میں سجدے کا بحر  
 دشمن جاں گردش، لب ہے تیرے بغیر

## بہی دنیا ؟

جتنی چتا سے جہاں ٹوٹا پہاڑ سے ایش  
 تہاں دھواں کے تیل سے جوتا ہے نشت کا چراغ  
 جس بندہ روئی کے مرے کوڑھتے ہیں یہاں  
 یہاں دروازے دیوتاؤں کے میرے قسمت غلام  
 جس جہد مذہب دین کے بندہ ہے سوہا پہاڑ  
 وہاں کی رہی کوٹھن کر پڑھتے ہیں لوحاں  
 جس عید انسان ہے وہاں پتھر ہے قتل و موش  
 نشت کرکھتے ہیں جس کی بوئیاں مذہب فروش  
 جس جہد یوں جمع ہیں تہذیب کے پروردگار  
 جس طرقت راستے ہوئے مہار پروردگار

جس جگہ انھیں تیرے مزار سے دل سے فاصلہ  
 فیصلہ کی دلی پابندیوں سے اس صحت کے آسمان  
 جس جگہ مریضی تیرے جسم میں سمجھتے تھے  
 پڑھتے تھے وہ تیرے یہ وہاں سے تھے  
 جس جگہ وہ تیرے کورسج مہنت و کوشش تھے  
 اور وہیں کے کہوں کو نہیں پڑھتے تھے  
 تیرے شاعر کو لکھتے تھے کہ نہیں ہے  
 جس پر تیرے سب سے بڑے دوستوں نے کہا

## شرط

تجھکو یہ ڈر ہے کہ ناموس گہ عالم میں عشق کے ہاتھوں نہ ہو جائے تو بدنام کہیں!  
 آج تک مجھ سے جو شرما کے بھی تو کہنے لگی وہ تراداز زمانے میں نہ ہو عام کہیں!  
 کسی شب ایسا نہ ہو جائے بیتاب کیسا تھ تیرے ہونٹوں سے نکل جائے مرا نام کہیں!  
 روزِ ندر سے لگی 'خضر' آنکھوں کا حال جا کے تاروں سے نہ کہدے شفقِ شام کہیں!  
 انکی پاداش میں ساقیِ فلک چھین نہ لے مرے ہونٹوں سے ترے ہونٹوں کا یہ جام کہیں!  
 یہ تری شرط وفا ہے کہ وفا کا قصہ دیکھو 'سن پائے' نہ گردشِ گریام کہیں!

ہاں مری روج پہ مسطور ہے یہ شرط تری

مجھے منظور ہے منظور ہے یہ شرط تری

تو یقین رکھ کہ ترے عشق میں جیتے جیتے عدم آباد کی آغوش میں سو جاؤں گا  
 ایک دن دل سے جب آوازِ شکست آئیگی اس کے آہنگِ فناِ قص میں کھو جاؤں گا  
 موت کے دیو کی آنکھوں سے ٹپکتا ہے جو جذب اس شعلہ جاں سوز میں ہو جاؤں گا

اور خدا پوچھے گا وہ راز باصرار ترا

اس کے اصرار سے نکرانے گا انکار مرا

## اقبال

(۱)

مشعلِ زندگی کی ضیاء اقبالؔ      رہے وہ جہاں جہو اقبالؔ  
محفلِ طور جس سے روشن تھی      اسی شمعِ ازل کی ضیاء اقبالؔ  
خس و خاشاکِ سر کے حق میں      ایک سیلابِ تند رہ اقبالؔ  
افتخارِ تیرے وہ نام پر      پرتوِ نورِ صبحِ نو اقبالؔ  
شعرِ مومنِ پیامِ اقبالؔ  
رند و رندو وہ نامِ اقبالؔ

(۲)

ساقیِ بادِ حیاتؔ اقبالؔ      مطربِ سازِ کائناتِ قبلؔ  
موتِ تہذیبِ نو ہے جس میں      درخشاںِ سیاتِ قبلؔ  
جس کے شعروں کا نقطہٴ ثباتؔ      ہے قوسِ کائناتِ قبلؔ  
راہِ اسلامؔ و کجاستؔ      وہ جو واحد رہ کجاست اقبالؔ  
وہ نامِ چمنیوںؔ اقبالؔ  
خودِ نندِ ستیوںؔ اقبالؔ

مثبت لوحِ جہاں پہ نامِ اس کا      زندۂ جہاں کلامِ اس کا  
 حشر تک کو بھیج دے گا یوں      دیر میں سردی پیامِ اس کا  
 تا بدور فلک زمانے میں      دور کرتا رہے گا جامِ اس کا  
 جس رو منزلِ حقیقت پر      اٹھ چکا ہے نختہ کامِ اس کا  
 تم بھی اس راستے پہ بڑھتے چلو  
 نردبانِ فلک پہ چڑھتے چلو

(۸-۱-۱۹۳۸)



## مطربہ سے

فضا میں بحر موسیقی رواں معلوم ہوتا ہے جہاں کا درد و فخر خواں معلوم ہوتا ہے  
 سنبھلنے دے ذرا او مطربہ یہ شہزادیں فخر جگر کے زخم پہ زخم کسان معلوم ہوتا ہے  
 یونہی گائے جا گائے جا ترا سوراخیں دیپ مری ہی زندگی کی داستان معلوم ہوتا ہے  
 تو گاتی ہے تو میرے سامنے نظارہ عالم کسی فردوس نہیں کاساں معلوم ہوتا ہے  
 تو گاتی ہے تو آنکھیں کھول کر لیتی ہے انگڑائی

رباب دہائے غموں کی محو خواب رعنائی

تو گاتی ہے تو تیرے دل پہ انیس مجھ جاتی ہیں تو گاتی ہے پیہری جھجھری انیس بھی گاتی ہیں  
 تو گاتی ہے تو تیرے چہرے مژگوں کی مدکارین شراب خرد کی مستیاں میں ڈوب جاتی ہیں  
 تو گاتی ہے تو گاتے ہفت تیرے نساں پر جمال زمرہ کی ریویاں جا دو جگاتی ہیں  
 تو گاتی ہے تو تیری رائی کی مست کن تانیں مری رگ رگ کو نیش درد بن کر کد گاتی ہیں

مرے غلہ تصور کی فضا کو تہما جا

یونہی گائے جا گائے جا یونہی گائے جا گائے جا

## فانی جب

دین میں سے بیزار فانی فانی فانی  
 دین بھی فانی 'مشتاق بھی فانی فانی مست جو فانی  
 فانی جب میں سب جُٹمک ہے جانی 'آنی 'فانی  
 لہتے دل کا چہ پہ 'خند پہ پہنا پہنا سا یہ  
 سایہ 'جھوٹا 'مٹکا 'یہ 'یہ 'یہ 'یہ 'یہ 'یہ  
 فانی جُٹمک میں سب جُٹمک ہے جانی 'آنی 'فانی  
 پیار سے روئے کٹیوں اور چہلوں سے پیار سے موت  
 آیا جھونکا اور چلی کھٹکھٹا مرنے مرنے  
 فانی جُٹمک میں سب جُٹمک ہے جانی 'آنی 'فانی  
 تپتی ریتوں و جو تپتے چشموں میں نکھارنی  
 آخر و شعبوں پر دسے دوسرے سیا فانی  
 فانی جُٹمک میں سب جُٹمک ہے جانی 'آنی 'فانی

## عورت

تو پریم مندر کی پاک دیوی تو حسن کی مہکتی رانی  
 حیات انساں کی قسمتوں پر تری نگاہوں کی کھراچی  
 جہاں اُمت تری قلم، دریم، دل تیری راجدھانی  
 بہارِ فطرت ترے بے غلّوں کی، شینہ، مسکراہٹ  
 نظر کو نین تیری آنکھوں کے سرخ دھاروں کی قدر بہت  
 فروغِ صد کائنات تیری جبینِ سیمیں کی صوفیانی  
 بھڑکتے سینوں میں بس رہی ہیں تو رہیں کر تری اُم میں  
 ترستی روحوں کو جامِ عشرت پلا رہی ہیں تری وفا میں  
 رُگ جہاں میں تحرک رہی ہے شہاب بن کر تری جوانی  
 دماغ پروردگار میں جو ازل کے دن سے بچل رہا تھا  
 زبانِ تخلیق دہر سے بھی نہ جس کا انحصار ہو سکا تھا  
 نمود تیری اسی مقدس حسینِ تخیل کی ترجمانی

سے وہی نکلے تے ابرو تک ہمایہ ناں بھی تک  
 ہیں نام کیوں کے ہیں تیرے دل میں تیرے بیٹوں بھی تک  
 فسادات تری بھی تک حدیث یونان کی خوں چکانی  
 ہے تیری اذیت کے رک پہ روق ہو گیا کو جواب تک  
 تری محبت ن آت ہے بل رو بہ صحرا کے نجواب تک  
 تہاں زم و ترے ہو تک فریب جہوں کی اک نشانی  
 تری نگاہوں کے سحر سے گل نشاں سے شمع واپ کی دیا  
 تے تیرے کیف کے ہے یہ فخر کی انیا صرب کی دیا  
 ترے ہوں ن معاف سے شکر میں ہے زہراب زندگانی  
 ترا تجر کھی کھی میں ترا ترنم چہن چہن میں  
 روز راستی کے چچہ تیرے سے یسوں کی شکن شکن میں  
 کتاب تارخ زندگی کے ورق ورق پر تری کہانی  
 بہ تو نہ ہوتی تو یوں درخشندہ شمع بزم جہاں نہ ہوتی  
 وجود ارض و سما نے مہر نمود کون و مکان نہ ہوتی  
 بشر کی محدودیت کی خاطر ترستی عام کی بیکرانی

## نفسِ عمل

اُدب تک گلہ شوقی تھری کریں      سب تک ماتم : کامی تدبیر کریں  
سب تک شیون جو رفلک ہے کریں      سب تک شہوہ بے مہرئی ایم کریں  
نوجوانانِ وطن ! آؤ کوئی کام کریں

آج برباد خزاں ہے چمنستانِ وطن      آج محرومِ تجلی ہے شہتِ وطن  
ہرگز نالہ و شیون ہے دبستانِ وطن      وقت ہے چارو دردِ دلِ ناکام کریں  
نوجوانانِ وطن ! آؤ کوئی کام کریں

آؤ اجڑی ہوئی ہستی کو پھر آباد کریں      آؤ جکڑی ہوئی روحوں کو پھر آزاد کریں  
آؤ پیچھے چروٹی مسلکِ فرہاد کریں      یہ نہیں شرطِ وفا بیٹھ کے آرام کریں  
نوجوانانِ وطن ! آؤ کوئی کام کریں

تایک ہنگامہ سا ہے آج جہاں میں برپا      آج بھائی ہے گئے بھائی کے خوش کا پیاسا  
آج دھونڈے سے نہیں ملتی زمانے میں وفا      آؤ اس جنسِ گرانیہ کو پھر عام کریں  
نوجوانانِ وطن ! آؤ کوئی کام کریں

جو مضمتہ داریں شکستہ سے نہ داریں حشر سے رہو سے وراثت کے سے نہ داریں  
 ہم جہاں ہیں قیام کی کشت سے نہ داریں ہم جہاں ہیں تو نہ چھو خدشہ آلام کریں  
 نو جوانان وطن ! آؤ کوئی کام کریں

رشتہ تکرار دیا تو زنجیر بھی دیں کاسہ حبس - ہوا پھوڑ بھی دیں پھوڑ بھی دیں  
 اپنی یہ طرفہ پھوڑ بھی دیں پھوڑ بھی دیں آؤ چھ کام کریں کام کریں کام کریں  
 نو جوانان وطن ! آؤ کوئی کام کریں

(۸-۵-۱۹۳۸)

## ابر صبح

تیرتہ بادل خشک جھوٹے نمارتے ہیں ہاں آسمان پر ناجتنی اڑتی لہابیوں کے راگ  
اس طرح لہ رہی ہیں ادنیٰ ادنیٰ مدیوں جیسے اک ہوا کے دوش پر زخموں کے تار  
جیسے نیلی جھیل میں نیلی ہوائی لہروں کی اور جتنی

جھون آتی ہو نے معصوم پنہاروں کو

گدے گدے ابر پاروں کی چھلکتی چھلکیں اس طرح پکاری ہیں بس بھری ہوا کا جھاگ  
جس طرح رووے کوئی مجبور اپنی دنیا میں سوئے ہوئے جذبات کی اندھیاریوں کو دل کی بات  
جیسے تھیں تھیں سے مغنیچہ ہائے بہشت

پھانتے ہوں جوئے کیسو میں صبا ہائے بہشت

وہ ننھی کالی گھٹا آنکھ بھی مری مست شباب وہ آواز جاتا ہے بادل ہاں زانوئیں کا جھاگ  
بجھ چکا ہے روح کا آتش کہ وہ ابھی شراب پھونکے سرے گدے میں مٹی بستی آگ  
تجھ کو جا سے کے ان جنتی شراروں کی قسم

ان ہواؤں کی قسم ان ابر پاروں کی قسم

## سرِ بام!

لو آگنی وہ سرِ بام مستلراتی ہوئی  
 یہ دھندلی دھندلی فضاؤں میں اندکاشِ شفق  
 گلی کے موڑ پہ اک گھر کی مختصر دیوار  
 یہ چھت کسی کے سیپر کی چپ سے ہاتھ  
 کسی کے بیٹوں سے آبا، یہ مقامِ خموش  
 تسموں کے ضیا پاروں کا خرامِ خموش  
 کسی کی فکری بانہوں کا یہ سلامِ خموش  
 منڈیر پر بھد انداز کہنیاں نیچے  
 کھڑی ہوئی بن ہوئی شوخ لالہ فامِ خموش  
 لئے اچھتی نکاہوں میں اک پیامِ خموش



## قیدی

نخت زنجیریں ہیں قیدی 'نخت زنجیریں ہیں یہ  
 ان کو، جا۔ بے ہنرمی، بہتی آگ میں  
 اگلی نڑیاں موت کے پھنکارے گاؤں کے چچ  
 اگلی نڑیاں زندگی کی الجھنوں کے سلسلے  
 اگلی یہ ان کے آگے تیری تدبیریں ہیں یہ  
 تیری تدبیریں "عہد سب تیری تدبیریں ہیں یہ  
 تخت زنجیریں ہیں قیدی 'نخت زنجیریں ہیں یہ

بیزیاں 'قیدی ترے پاؤں میں ہیں تائے نہیں  
 دیکھ پانی "اپنے سر پر تیز سٹیکوں کی چھت  
 چار سو لوہے کی سینوں کی فصیل بکراں  
 تو بھر بے دست و پا بے حس حرکت بے سکت  
 ہر ادھر اس سوچ میں ہیں تیرے ظالم پاساں  
 دکھ کی کالی کوٹھڑی سے تو کہیں بھاگے نہیں  
 بیزیاں 'قیدی 'ترے پاؤں میں ہیں تائے نہیں

## کون؟

زمانے پہ بچاتی ہیں دب کانی راتیں      مرے من سے کون آئے کرتا ہے باتیں؟  
 پچھتے ہیں دب بھملااتے ستارے      مرے من میں کیوں کوندت ہیں شرارے؟  
 اٹھاتی ہے جب بجکٹوں چندر گاؤں      اجتا ہے یوں میرے اشکوں کا ساؤں؟  
 نذر تے ہیں دب ہاؤں کے سچینے      جھڑک اٹھتے ہیں کیوں امیدوں کے سینے؟  
 کئی دب بے شہنشاہ کے تصور سے بچتی      مری روت میں کس کی منی ہے بچتی؟  
 گھٹتوں میں دب پھول سمیت ہیں مرے      مجھے کس کی زلفوں کی آتی ہے خوشبو؟  
 یہ کیا میدان ہے کوئی ہے نہ ہستی      ہے آباد جس سے مرے من کی ہستی  
 ہر اک بھڑک خوشامروپ احمدی      مری روح سے کر رہی ہے اشارے

میں اس شعل موبہ کو ڈھونڈتا ہوں

میں اس سر مکتوم کو ڈھونڈتا ہوں

## صبحِ نو

لے دست ابو ذؤب کہ پت جھڑ کی رُت مٹی چٹنی بے مہ سے باغ میں پکائی نئی گلی  
 پھر باگ انھی ہیں رائیں آتش کی پھر نہوتی ہیں تارکیاں ہنر و ناز کی  
 پھر بس رہا ہے کُنیا عام شمار کا

پھر آریہ ہے بونٹ کے موسم بہار کا

لے دست اس کے بڑھنے میں کونجی حیرت پاں یہ پسا پھول جس رہاؤں میں تیرے پاس  
 کون سا 'سکراتا ہوا' شہباز پھول پر درگاہ عشق کا یہ بے زبانِ رسال  
 آتا ہے اک پیامِ رسائی کے واسطے بسرتِ ناز کی یاد بانی کے واسطے  
 لے دست ایک پھول کی نعمت ہے زندگی لے دست ایک سانس کی مہلت ہے زندگی  
 وہ بخیر و بھنی 'کئی رات اضطراب کی' انجلی خد، افق سے صراحتی شراب کی  
 آ آتی ہے بھنی ہے قیمت 'مرے حبیب'

آیا ہے پھر بہار کا موسمِ انتِ غیب'

## ریل کا سفر

کراچی کو جاتی ہوئی ڈاک گاڑی  
 مسافت کو یوں طے کیے جا رہی ہے  
 یہ چینل سے میداں یہ ریتوں کے نیلے  
 یہ کپاس کی کھیتوں کی بہاریں  
 گھنے بن کی پھلواڑیوں کی تھک و دو  
 یہ چھوٹی سی بستی 'یہ ٹل اور یہ بان  
 یہ حیران کنے یہ خاموش مائیں  
 یہ نہروں میں بہتا ہوا مست پانی  
 یہ اینٹوں کا آوا' یہ اونٹوں کی ڈاریں  
 درختوں کے سایوں سے آباد رستے  
 بدلتے چلے جا رہے ہیں نظارے  
 یہ صحرا جو نظروں کو برما رہا ہے  
 نظر ایک منظر پہ جمتی نہیں ہے  
 دھرم کے مندر میں تیراک گاڑی  
 سفر کو غناغت پہے جا رہی ہے  
 تین جن پر بچے وہ ب کے زرا پہلے  
 یہ ڈوڈوں کو چشتی ہوئی گلزاریں  
 اور ان پر بکلوں کی رشتوں کے پردے  
 یہ صحرا میں آوارہ بھینروں کے پالی  
 یہ گوبر کی چیمینوں سے لتھری تباہیں  
 یہ سون کی رت کی سنبری جوانی  
 یہ کیکر کے چیزوں کی بسی قھاریں  
 یہ آزاد راہی 'یہ آزاد رستے  
 تھے سے نئے آرہے ہیں نظارے  
 مرے ساتھ بھگا چلا آرہا ہے  
 یہ مون آ کے ساحل پہ تھمتی نہیں ہے

## یہ سچ ہے

یہ سچ ہے اس کی دُنیا میں کوئی قیمت نہیں ہوتی  
پڑا رہتا ہے جب تک بحر کی آغوش میں موتی  
یہ سچ ہے پھول جب تک شاخ سے توڑا نہیں جاتا  
کسی کے گیسوئے پر پیچ میں جوڑا نہیں جاتا  
شراب ناب جب تک بٹ نہیں جاتی کٹوروں میں  
جھلک سکتی نہیں ان مدبھری آنکھوں کے ڈوروں میں  
یہ سچ ہے جب غدی اپنی روانی چھوڑ دیتی ہے  
تو اس کے ساز کے تاروں کو فطرت توڑ دیتی ہے  
یہ سچ ہے اپنے جوہر کھو رہا ہوں دیس میں رہ کر  
گزرتی زندگی کو رو رہا ہوں دیس میں رہ کر

## انتخاب

رمی آنکھوں میں برستے ہوئے آنسوئہ ہے      دل کی دنیا نہ رہی اور نہ پہلو نہ رہے  
 انہوں سے رن کی آئی کی جھمک جاتی رہی      خشک سونٹوں سے شرابوں کی مہک جاتی رہی  
 نیند کا چین کیا جاگنے کی بات تھی      نشوں کا دن بیا اور مستیوں کی رات گئی  
 روں سے سینوں میں مہتابوں کی نیلندی      قرمزی رنگوں میں مہتابوں کی دنیا نہ رہی  
 وال رہا تھا تخیل نے جو نہیں پروا      رخ ہستی سے ہے اٹھنے لگا رفتہ رفتہ  
 مابقیقت مرنی آنکھوں سے قریب آتی ہے      نظراب دنیا کی تصویر مہیب آتی ہے  
 اب تبسم مجھے غنچوں کا زرا دیتا ہے      دل کے شعلوں کا براک جھونکا ہوا بیت ہے  
 حسن کے مار واداج مانتا ہوں جانتا ہوں      اس کا سحر اس کا فسوس مانتا ہوں مانتا ہوں  
 چاندی قاش سے ملنے کی سبست ایچ ہے      پھوں کی طرح نسیم چمک کی رنگت ایچ ہے  
 مست نظروں میں شرابوں کی ملاوٹ ایچ ہے      سرخ ہونٹوں میں نہاتوں کی حلاوت ایچ ہے  
 دیکھتی ہیں گمراہ میری نگاہیں پچھ اور      اب مرے فکر پہ ہیں ٹھل سکیں راہیں پچھ اور  
 اب براک شے کی حقیقت پہ گماں رکھتا ہوں      اپنی تخیل کے قدموں پہ جہاں رکھتا ہوں  
 دیکھتا ہوں کہیں پہنچے بھی یہاں میرے بغیر      خس و خاشاک کا ہے ڈھیر جہاں میرے بغیر

حسن اک ہمو کا ہے اور عشق ہی خود بھول ہے اک

تتلی سیوں گل پہ رے تلی ہی خود بھول ہے اک

یہیں پہ رہنے دے صیاد، آشیانہ مرا

یہ بانس تیرا ہے یہ بھول تیرے ہیں چن لے  
گلوں کے ریشوں سے اور حسین کوئی بن لے  
ابھی بچا نہ اسے، ایک آبا سن لے

مرے بغیر اُبز جائے گا ٹھکانہ مرا  
یہیں پہ رہنے دے صیاد، آشیانہ مرا

یہ بچ ہے تیرے چمن سے چڑایا ہے میں نے  
یہ ایک تنکا یہیں سے اٹھایا ہے میں نے  
کہ جس پہ اپنا بھیرا بسایا ہے میں نے

ترے چمن میں تھا حق اس قدر بھی کیا نہ مرا؟  
یہیں پہ رہنے دے صیاد، آشیانہ مرا

یہیں پہ پہلوئے میں چپے چپے رہوں گا  
کلی کلی مجھے چھینے سے 'نی' میں نہ ہوں گا  
نہ گاؤں گا میں زباں تک نہ اپنی آہوں کا

ترکی فضاؤں پہ رُبار ہے تر نہ مرا  
یہیں پہ رہنے دے صیاد 'آشیانہ مرا

تجھے ہے یاد؟ یہاں ایک پنجھی رہتا تھا  
وہ جس کے غموں کی رو میں زمانہ بہتا تھا  
یہاں سے جانے گا وہ تو روئے بہتا تھا

"رفیق! جاتا ہوں! پھر جانے کب ہوا تا مرا  
تر سے پردہ یہ چھوٹا سا 'آشیانہ مرا'

اندھیرے میں کوئی پتا جو سرسرا تا ہے  
تو اب بھی راتوں کو دل میرا چونک جاتا ہے  
سمجھتا ہوں وہ مرا ہم سرود آتا ہے

ہے جس کی ایک امانت یہ 'آشیانہ مرا  
یہ ٹوٹی ٹہنی پہ برباد سا ٹھکانہ مرا



کبھی تو آج مجھ کو حشر و امید ہے  
 اک اور جنت پھوٹش کی کلیہ ہے  
 اک اور کھشن آزاد کی نوید ہے

جلا کے نام بانداز محرماتہ مرا  
 وہ آک سر پہ اٹھائے گا آشیانہ مرا

وہ دیکھ اشنا نہیں بلی ہیں۔ وہ آ رہا ہوگا  
 حسین کلیاں کھلی ہیں۔ وہ آ رہا ہوگا  
 زمیں رتوں سے ملی ہیں۔ وہ آ رہا ہوگا

یہیں 'اھر ہی' وہ سناہ سنتی پرانا مرا  
 یہیں پہ رہنے دے صید 'آشیانہ مرا

## بیسا کھ

شب کو آئی آتی فسوں زانچوں کی رت  
 آتی تھیں کلیوں کی بنایوں کی رت  
 گاؤں کے سرداروں نے آٹھ میں درانچیاں  
 آتی تھیں جیتوں کی بیوں کی رت  
 در کی فصل کاٹنے کے خوشگوار دن  
 محنت کشوں کی دھڑا دھڑا بیوں کی رت  
 لہجوں سے بھرے بھرے تپڑوں کا دل  
 صوازاں سے بنگاروں کی رن رن کی رت  
 جیتوں میں دھیتے قہقہوں کا موسم نہیں  
 رتوں پہ کھنٹی ہوئی شبنم کی رت  
 انتظار کی امید کی مار آوری کا وقت  
 پیاسے بچے کی آنکھوں کی رت

## غزل

یہ دنیا ہے اے قلب مضطر سنبھل جا  
یہاں برقہم پر ہے ٹھوکر سنبھل جا  
بڑے شوق سے پی مگر پی کے مت گر  
ہتھیلی پہ ہے تیری ساغر سنبھل جا  
جہاں حق کی قسمت ہے سولی کا تختہ  
یہاں جھوٹ ہے زیب منبر سنبھل جا  
قیامت کہاں کی 'جزا کیا' سزا کیا  
ہے ہر سانس اک تازہ محشر سنبھل جا  
وہ طوفان نے پر خوف جبرٹوں کو کھولا  
وہ بدلے ہواؤں کے تیور سنبھل جا  
نہیں اس خرابات میں اذن لغزش  
یہ دنیا ہے اے قلب مضطر سنبھل جا

## قیصریت

پیپ آتھ، سہستہ کی آواز ہے  
 اس پر تیرا ہاں باندھے ہے  
 چادر میں سے نکالی جاوے  
 جھٹکتی ہے رستہ کی تہی  
 سہائی با شہ کی فوج کا  
 ہر ہاتھ رشتہ جاں باندھے ہے  
 جاتے ہو کہتے تھو اپنے  
 جاوے جیسا جاوے میں یہ بھی  
 اور سپہی خون کی میدان کی طرف

وہ سپہی جنگ میں جاوے  
 تہی سہی جو کہ فوج میں سے ہے  
 تھوڑی شیدائی سے لے کر  
 سن اور خوب وقیہ نہیں  
 وہ سپہی جنگ میں جاوے  
 تہی سہی جو کہ فوج میں سے ہے  
 تھوڑی شیدائی سے لے کر  
 سن اور خوب وقیہ نہیں

اس سپاہی کا وہ اکلوتا تیرہ  
 بادشاہ کے محل کی چوکھٹ کے پاس  
 اسکے ننگے تن پہ کوڑے مار کر  
 کیا ترے مرنے کی باری آگئی  
 وہ مُڑا چکرایا اور اوندھا اُڑا  
 دی رعایا نے صدا ہر سمت سے  
 آنکھ مریاں : روح مرزاں : دل : دہنہ  
 لے لے آیا بھیک کے ٹکڑے کی آس  
 پہرے داروں نے کہا دھتکار کر  
 دیکھ وہ شاہ کی سواری آگئی  
 گھوڑوں کے ناپوں تلے روند اگیا  
 ”بادشاہ مہرباں ! زندہ رہے“

## قیدی دوست

میں نے قیدی دوست کو غم سہا رہتا ہے کیوں؟  
 بس کہ زنداں کی سائخوں سے کھڑا رات کیوں؟  
 رات میں چرائی - تمکوں سے مجھے کہتا ہے تو  
 بات وہ یہاں ہے جو مجھ سے کہہ نہیں سکتا ہے تو  
 تیرے سینے کی داس راز و سنتوں میں  
 دسب قری زنجیر کی آواز کو سنتا ہوں میں  
 تیرے ساتھ نہ جو 'مرد' ہو، ہو گل رات کو  
 سنتی وہ 'مرد' سے تھے راز کی اس بات کو  
 صبر آیت کہ میں زنداں میں ہیں جتنے اسیر  
 جن کے امید کے دس میں ہیں جھٹکتے غم کے تیر  
 یہ آئینہ پیش شیشی پر بھیجے مرے سوار  
 بھیجے وہ اس بڑے بڑے خوف طوفانوں کے پار  
 'مرد' نقش پر صبح کی چند دھوپ کے درمیں  
 وہ نعرہ آید سینے کا شہری بادیاں

اب ہمارے قید گھر کے قفل کھولے جائیں گے  
 اس سفینے پر ہر ایک بد بخت کو لے جائیں گے  
 اُس جگہ اک دوسرے کے متصل بیٹھیں گے ہم  
 چند گھڑیوں کے لئے آپس میں مل بیٹھیں گے ہم  
 اپنی اپنی داستاں رو رو کے کہہ جائیں گے ہم  
 چند لمحوں کے لئے نشوں میں بہ جائیں گے ہم  
 بیڑیوں پر تیری رکھ کے اپنی سہمائے نیاز  
 میں پڑھوں گا میرے قیدی دوست! اُلفت کی نماز  
 استن سے کشتی کنارے سے لپٹ جائے گی دوست  
 اور مرے سجدوں کی عمر شوق کٹ جائے گی دوست  
 پھر قدم رکھتے ہی ساحل پر جدا ہو جائیں گے  
 از سر نو قیدی دامِ بلا ہو جائیں گے

## بیسویں صدی کے خدا سے

نہیں - انھوں نے میں نے رب اب تیری دنیا میں  
 غم و رنج و پرہیز و رسوا ہوتے دیکھا ہے  
 زراعت کی بے مروتی سے پاؤں پر میں نے  
 نہیں ذوق کشش کی انھن یوں دہاتے دیکھا ہے  
 چمکتی اجڑ چمپ میں حور و تیرہ کو دستوں پر  
 نرستے کوزلوں کی چھوٹی میں ہینٹیں؛ صحت دیکھا ہے  
 بونی کی مہستی رت میں یہاں کی آنکھوں و  
 صبر کے زمرہ میں - نسوے سے اہستہ دیکھا ہے  
 نئی دانت پہ محو - یہاں یقیں آئے کہ دنیا میں  
 گل انداموں کو میں نے خرافہ پر سوتے دیکھا ہے  
 ادب پڑھنے کے یہاں تیرا این - ششوں کے چہوں  
 انہی و میں نے ہم رستے پہ کانٹے ہوتے دیکھا ہے  
 ترقی - ہمیں نہیں سیکھنا سنا ہے دیکھتا ہے تو  
 درویش پنے بندوں کی نھر سے گریبات تو



## بھکشا

پھر رہا پھر تادھ کی وادی میں کھویا کھویا سا      لے کر اپنے جڑے دل کا ٹونا پھونکا سا  
 "پہنچا ہے تیرے در پر یہ دکھیا بھکاری"      سینے میں طوفانِ تمنا آنکھ سے آنسو جاری  
 تیرے اونچے ایوان کی یہ نگریاں چمکیلی      چوم رہی ہیں جن کو سورج کی کرنیں ابھی  
 مہم مہم کی محرابوں کے نیچے وہ بند درتے      جیسے بیٹھے ہوں جنت کے غماں آنکھیں میچے  
 بھیمی خوشبوؤں سے مہکا جالی دار جھروکا      جس کی چٹمن پر ہر ہلتا سا یہ رنگیں دھوکا  
 تیرے درے دارے پر آ کر میں اوگن بار بھکاری      آنکھوں کے رستے نکا کر سینے کی چنگاری  
 ذرواں کو آج لاشکوں کی برساتیں بات رہا ہوں      خاکِ در پر سجدوں کی سوغاتیں بانٹ رہا ہوں  
 دیکھ لیا اب ڈھتی ڈھتی بنفیس کھاتی ہیں بچکولے      روح کا پنچھی دل کی مٹی پر ہے کندے تولے

خاک میں مل جانے کو ہے اک چند روپ جوانی

جیون کی بھکشا دے دے اور راج محل کی رانی

## گر اس جہان میں جینا ہے

نہ تاج سر کو تو بیچ اور نہ تو سر پہ کو بیچ  
گر اس جہان میں جینا ہے تو ضمیر کو بیچ  
حیا کو اپنی نگاہوں سے حکم رخصت دے  
زباں کو زہر ملے شہد کی حلاوت دے  
فریب سجدہ سے اپنی جہیں کو واقف کر  
ریا کے آنسوؤں سے آستیں کو واقف کر  
ہے تیرے دل میں جو چنگاری اس کا نام نہ لے  
خودی کا رُتبہ خود داری ! اس کا نام نہ لے

## گھٹا سے

گھٹا! نہ رو! مرے دردوں پہ اشکبار نہ ہو  
مجھ ایسے سوختہ سماں کی نمگسار نہ ہو

لیٹ لے یہ خنک چادریں ہواؤں کی  
کسے طلب ہے تری مست کار چھوڑ کی  
تو اپنے ساتھ ہی لے چل یہاں سے جاتے ہوئے  
کھوئے اپنی پھواروں کے جھنجھٹاتے ہوئے

یہ بوندیوں کی نوائیں تجھے مبارک ہوں  
یہ بہی بہی فضا میں تجھے مبارک ہوں  
یہ زہتیں مری محفل سے اے گھٹا لے جا  
یہ اپنی بجلیوں کے ارغنون اٹھالے جا

میں سن چکا ہوں بہت تیری داستائیں، بس  
خوش! مجھ کو نہیں راس تیرے نعموں کا رس!  
نہ چھیڑ آج یہ اپنی رسیلی شبنائی!  
ہے مشکلوں سے مرے آنسوؤں کو نیند آئی!

## بیابانی ہوئی سہیلی کا خط

کیا یہ سچ ہے مری سہیلی کہ تم  
 اک نئی زندگی میں اُترو گی  
 آج تک جن سے تم بچھڑ نہ سکیں  
 ایک گھونگھٹ کی اوٹ میں چھپ کر  
 نقرئی بندھنوں میں جکڑی ہوئی  
 پھر بھی آئیں گی چاندنی راتیں  
 آنکھ میں ہوں گے سرمہ آلود اشک  
 آنڈھیوں کی زدوں میں آئی ہوئی  
 آہ! یہ دکھ بھرا نظامِ حیات  
 آہ! یہ طوقِ رسم و راہ جہاں  
 جس میں جلتا ہے دل سہاگن کا  
 جلد ہی اب بیابانی جاؤ گی  
 اک نئی قید گم بساؤ گی  
 ان کو اس طرح چھوڑ جاؤ گی  
 زیت کی قید کاٹ جاؤ گی  
 راہ ہستی پہ ڈمکناؤ گی  
 تم عمر یوں نہ گنناؤ گی  
 آہ! تم پھر بھی مسکراؤ گی  
 شمع کی طرح بجھتی جاؤ گی  
 جس کے پنچے میں تلملاؤ گی  
 جس کو زیب گلو بناؤ گی  
 اس جہنم میں ہستی جاؤ گی

مان لوں کیا یہ میں کہ آج کی رات      آخری گیت اپنا گاؤں گی  
 پانی بھرنے کے اک بہانے سے      اپنی گاگر اٹھا کے آؤں گی  
 آ کے ندی کنارے لہروں کو      دیر سے منتظر سا پاؤں گی  
 ایک لمحے کے بعد کیا ہوگا      ان کی گوہی میں تھر تھراؤں گی  
 زندگانی کے تہ خانے کی      ساری زنجیریں کاٹ جاؤں گی

کاش پہنچے یہی نوید مجھے  
 ملے اس خط کی یوں رسید مجھے

## کہاں؟

موت کی منتوں نے کہا کہ دوست  
 جب تمہاں کی روانی سے  
 جب تمہاں کے دلخیزاں ہیں  
 دوست! جب تمہاں ترانہ نکالو  
 زندگی جو ہے محبت کا  
 ہمیشہ اس قدر قریب میں ہم  
 دل سے دل کی قرب فوری ہے  
 آنکھیں منعموں میں سے ہر تہتی ہیں  
 شام سے شام بھر رہت یہاں  
 جو بھی ارواں اہیت میں سے  
 قل نے معلوم کیا ہے یہ وہاں  
 اچھے جیسے اچس کے ہر رستے  
 کہ یہ آرزو نے کہا اے دوست  
 تیرے بیوں کی رست سہانی ہے  
 شش ہست میں چہ اٹ روٹن ہیں  
 کہ رہا ہے تجاں کو پناہ  
 زندگی نام ہے محبت کا  
 زندگی ہے تو خوش نصیب ہیں ہم  
 روت سے روت خوب بازی سے  
 وہاں کھیلوں سے کھیلتی ہیں  
 نفی سے نفیر چہ رہا ہے یہاں  
 تنی تو دام مہکات میں ہے  
 کل کا مفسور کیا ہے کیا ہو جائے  
 چکے کرا میں اس کھارے سے

سچین میں اس نکتے کہاں ہے

پتی منوں کو چر نہ جائے کہاں ہے

## عقدہ ہستی

(ریل کے ایک سفر کے زبانی تاثرات)

خشک ندی کے کنارے ریل کی پٹری کے پاس  
کھل رہا ہے دشت میں اک لالہ آتش لباس  
اس طرف کھلائی دوپ اور اس طرف ٹوکھا بول  
پل رہا ہے جن کی بے احساس گودی میں یہ پھول  
کھلتا ہے گرچہ انگاروں سے اس کا ہر نفس  
مٹ رہا ہے خار و خس میں ہم نشین خار و خس  
درد کی فطرت کا دم اس طرح گھٹتا دیکھ کر  
دیکھ کر اس سوز کی دولت کو لٹتا دیکھ کر  
مجھ کو نظم زیت کی بربادیاں یاد آ گئیں  
میری آنکھوں میں برستی بدلیاں لہرا گئیں  
اس پراک ساتھی نے حیرت سے کہا ”کیوں کیا ہوا  
او مسافر بھائی تو کیوں رو پڑا؟ کیوں کیا ہوا؟“

یہ تھے جس حقیقت کو چھپانے کے لئے  
 "ورکس جاے جہاں اس بھانے کے لئے  
 مسہرا بریں کے جسے اس نے کہا "چوتھی نہیں"  
 یونہی تینے تینے آنکھیں میری، ہندلا سی تھیں  
 مقدمہ ہستی کو سمجھنا ہے کس نے اور سب؟  
 آواز دنیا میں دل روتے ہیں اور سنتے ہیں لب!



## مسافر

گزر گاہِ جہاں پر — ہم مسافر !  
شکتہ دل ' شکتہ دم ' مسافر  
عجب کچھ زندگانی کا سفر ہے  
مسافر کا نہیں محرم مسافر  
گلے ملتی ہے رو رو کر گلوں سے  
کہ اس گلشن میں ہے شبنم مسافر  
سنھن ہے عشق کی منزل سنھن ہے  
چلے جیسا اس روش پر کم مسافر  
ابد اک موڑ تیرے راستے کا  
تو بیل شوق ہے ' مت تھم مسافر !  
گلہ کیوں شوخی قسمت کا امجد ؟  
کرے کیوں فکر بیش و کم مسافر

## ساز فقیرانہ

گلوں کی فتح ہے یہ، محبتیں بچنا یہ  
 نشہ خاک میں، خاک میں تو سونا کیا  
 فقیہ ہیں، فقیہانہ ساز رکھتے ہیں  
 ہمارا ہنسا ہے کیا اور ہمارا رونا کیا  
 کس زمانے کی ان پیکرانیوں سے کام لے  
 زمانے جو سے ہے تمہارے دل کا ایک کونا کیا  
 نظم و ہر کو تو را کے کس لئے لے لیں  
 جو خود ہی ذوب رہا ہوا سے ڈبونا کیا  
 بساط میل پہ قلم حباب کی تعمیر  
 یہ زمرن ہے تو پلج ہونا کیا 'نہ ہونا کیا  
 نہ راک ہیں تر سے ہی اشک ماوراء صہرا  
 جہوں و رکھنا ہے تاریک اُتر تو رونا کیا

## سفر حیات

ہر اک نقشِ پا کی زباں پر فسانے  
ہر اک دُوب میں مضطرب سورتِ رائے  
ہر اک موڑ پہ اس کے لاکھوں زمانے

یہ رستہ کہاں ختم ہوگا ' نہ جانے ؟

کسی بوستانِ حسیں کے کنارے ؟  
کسی وادیِ شبنمیں کے دوارے ؟  
کسی خارزارِ حزیں کے ٹھکانے ؟

یہ رستہ کہاں ختم ہوگا ' نہ جانے ؟

اُمیدوں پہ حسرت سی برسا رہے ہیں  
پس و پیش سے کان میں آ رہے ہیں  
بھٹکتے ہوئے قافلوں کے ترانے

یہ رستہ کہاں ختم ہوگا ' نہ جانے ؟

ماتہ پامنی راہیں نامشائیں  
 دیوں سے مہرے سینوں کی تھائیں  
 یہ رستہ جو کہ رستہ سے نہایت

یہ رستہ میں تھر تھر ہوگا نہ جانے؟

مرفورس میں اور آخر نیچے  
 اور تگے تگے کی پھمکی کے نیچے  
 چپو رحو ہے اور اپنا تھکانے

یہ رستہ میں تھر تھر ہوگا نہ جانے؟

نکاحوں کے آگے بھل کی سیانی  
 رستہ یہ پورا تھر تھر رانی  
 چا تو ہے تھکیر و آہٹ

یہ رستہ میں تھر تھر ہوگا نہ جانے؟

## چچی

آگ سینے آئی جب کوئی پردہ نہ تھا کوئی چچی نے دایا اپنے لب و دُشنام کو  
 ”اس موئی پاپن نے تو مجھ کو جواؤ والا بہن!“ کوئی ہوا اس بے حیات پوچھنے والا بہن  
 یہ نگوڑی کیوں گلی کے موڑ پر کال پھینکی رات رات چچی جسے یہ سروشیاں ”اے سائے سات“  
 وہ بچاری آلودوں کو چھیلتی بے اختیار ہاتھ میں اپنے چھوٹی چھری کی تیز دھار  
 صبح کو گونجی فضا میں جب کسی ہنسی کی لے اسکے سینے میں تڑپ اٹھی کوئی بیتاب شے  
 ہاتھ سے چلتی ہوئی چکی کا دستہ چھٹ گیا اک جہاں اسکے تصور میں بسا اور سٹ گیا  
 اتنے میں ظلم چچی کی غیظ ناک آواز پر جھک گئی پھر سے وہ سنگ آساکے ساز پر  
 کیوں نہ ہواں دکھ کی ماری کیلئے جینا باں اک چچی کے ہاتھ میں ہو جسکے گھر کی دیکھ بھال  
 باپ جس کا کارخانے میں کہیں مزدور ہو اپنی اکلوتی جواں بیٹی سے کوسوں دور ہو

جس کی ماں پھر لوٹ کر فردوس سے آئی نہ ہو

وہ ابھاگن! جس بچاری کا کوئی بھائی نہ ہو

## ملاقات

تم کو شہروں نے پکارا، سبز دروں نے مجھے      تم کو چٹولوں نے صد ہادی اور خادوں نے مجھے  
 میں انہی پگڈنڈیوں پر بانسری چھینے کیا      بے ارادہ جانے کس کا رستہ دیکھا یہ  
 جب ندی پر تھماتا شام کی مسند کی کارنگ      میرے دل میں کانپ اٹھتی کوئی آن بوجھی امانگ  
 جب کھنڈری ہریوں کی، اربن میں ناچتی      کوئی بے نام آرزوی میرے من میں، حتی  
 ریت کے نیچے پہ سرکنڈوں کی ہراتی قطار      نیم شب میں در میری بانسری اور نظر  
 آہ یہ سرسبز میدان، دم بخود، لاشی      جن کی دھست میں جوانی میری آوارہ رہی  
 بعد مدت کے تمھارا آج ادھر آتا ہوا      وہ زمانہ بچپن کا، آہ، افسانہ ہوا  
 کتنے سمجھے ہاں، ایسی نرم و نازک آستیں      جس رہے ہو؟ ک تمھارے قہقہہ بدلتا نہیں  
 مجھ کو دیکھو میں ابھی وابستہ آغاز ہوں      ان حسیں، پرانیوں میں خوش برآ و زہوں  
 دوڑتی جاتی ہے دنیا، وقت کے محل کے سرت      میرے حصے میں ٹہنی بیتاب دن، بخواب رات  
 دھونڈتا ہوں، گم ہوئی ہے میری دنیائے حسیں      ہاں انہی پھیلے بیابانوں کے پتھم میں کہیں

ایک دن جب میرے مرنے کی خبر پائے گی وہ

میری تربت پر تو آئے گی، ضرور آئے گی وہ

## راجا پر جا

رانجے کا کل آج !  
 سارا جہاں محتاج  
 سندھ دھن 'باج' خراج  
 گدی 'مسند' تاج  
 تہیں برس کا راج  
 اور پھر اس کے بعد  
 اک روضہ دیراں

راجا 'پر جا' کہاں  
 اک بہت طوفان  
 کود عظیم . مبراں  
 کاہ سپ سہاں  
 جھوٹیہیاں 'ایواں  
 نقد اور نقد  
 مٹے اس میں راں  
 برٹے اس میں نہاں  
 اور چرس کے بعد  
 ایک دہی طوفان

پر جا کا آج نہ کل  
 شاخ نہ پھول نہ پھل  
 بھٹے دل کا دل  
 بھوکا 'پیارا' شل  
 لکھ برس کا پل  
 اور پھر اس کے بعد  
 مٹے گورستان





## صبح و شام

تجھ کو خبر ہے کتنی سبھیں  
 کتنی سبھیں بن گئیں شاہیں  
 آرزوؤں سے مہکی سبھیں  
 بن گئے پرانی پیڑی شاہیں  
 دوب رہی ہیں ادب چکی ہیں  
 وقت کے طوفانی دریا میں  
 کتنی سبھیں کتنی شاہیں

اب بھی رواں ہے ناؤ میری  
 اب بھی رواں ہے دھیرے دھیرے  
 دور ہے اُمیدوں کا کنارہ  
 دور ہیں ارمانوں کے جزیرے  
 دور ' آفتق سے دور ' دور ' نی  
 جس کی فضا میں مجھ میں جہ میں  
 نوریں سبھیں ' رنگیں شاہیں

ان صحتوں کو ان شاموں کو  
کون مری دنیا میں لانے  
ساتے میری اکھیروں  
جس کے اگلے بھی ہیں ساتے  
وہ ساتے جن کی عظمت کو  
سانپ چچی میں اپنی ٹھکانے  
میرے گھسٹیں میری شامیں

## غزل

کیا گریباں چاک صبح اور کیا پریشاں زلف شام  
وقت کی ایشی زنجیر کی کڑیاں تھام

دیکھیے تنکے کی ماؤ کب کنارے جا گئے  
موت ہے دمشت خروش اور سیل ہے دمشت خرام

شع کے دامن میں شعلہ شمع کے قدموں میں راہ  
اور ہو جاتا ہے ہر منزل پہ پروانے کا نام

زیست کی صہب کی رو تھمتی نہیں، تھمتی نہیں،  
نوتے رہتے ہیں نئے نئے پھونکتے رہتے ہیں جام

## ارتھی

تو نے کیا، کیا، تو نے کیا سمجھا؟  
جب تری زندگی نہ از آنکھیں  
گوشے بامی بندگی سے  
فرط حیرت سے دردمندی سے  
جھک پریں اس بنو سربیاں پر  
جو زرت تھ تیرے کوچے سے  
ایک ارتھی اٹھانے شانوں پر

پند تیرے سے جنوں اور اک چادر  
زندگی کی بہار کا اوج مہ  
خوابی کی آخری منہج حذر  
تیرے حسن و رمرے جنوں کا مہ  
اپنا حسرت تھا کہ یہ انیال  
میں نے دیکھا تو سوا واری تھی  
تو نے کیا سمجھا؟ تو نے کیا سمجھا؟

## حسینؑ

وہ شام صبح دو عالم تھی جب یہ سرحد شام  
 رکا تھا آگے ترا قند ترے خیام  
 متاع کون و مرکاں تجھ شہید کا مجدد  
 زمین کرب و بلا کے نمازیوں کے امام  
 یہ نکتہ تو نے بتایا جہان والوں کو  
 کہ بہ فرقت کے ساحل سے سلسیلِ کسم  
 سوار مرکبِ روشِ رسوں — پورِ بتوان  
 چراغِ محفلِ ایمان ترا مقدس نام

## ہزاروں راستے ہیں

ہزاروں راستے ہیں مندریں میں  
مندر اور صحرا جہی ہیں حامل  
نہر رینہ ستارے کی شعاعیں  
ہیں ہر ریزہ سے سینے کی متاعیں  
ہر اک شئی سمجھتی ہے کہ ہمارا  
دوسرے سے ساتھ اس کے ہونے کی وجہ

تمہاری تو مری منزل الگ ہے  
تمہارے دل سے میرا دل الگ ہے  
مندر اور صحرا ان میں حامل  
کسے معبود سے یہ دور مسافر  
کبھی اک دوسرے سے مل سکیں گے  
کبھی شاید یہ غنچے کھل سکیں گے

مگر دونوں کا رہبر ہے وہ ستارا  
جو اک دن میرے حرفِ آرزو پر  
تمھاری آنکھریوں سے گر پڑا تھا  
جبینِ وقت پر تاباں ہوا تھا

شبِ دروز آئے اس کے بعد لاکھوں  
ابھی تک اس کی کرنوں کے اشارے  
صدا بھٹکے ہوؤں کو دے رہے ہیں  
ہماری کشتیوں کو کھے رہے ہیں  
ہمارے راستے کتنے الگ ہوں  
ہماری منزلیں کتنی جدا ہوں  
مگر رہبر ستارا تو وہی ہے  
امیدوں کا کتارا تو وہی ہے

(۱۸-۱-۱۹۴۳)

## نعتیہ مثنوی

شہر مکہ بتوں کی بستی ہے      چار سو تیرگی برتی ہے  
 لودھ اک نور کی کرن پھوٹی      بزم آفاق جگمگا اٹھی  
 دیکھنا اک یتیم بے ساماں      بے نوا 'کم سخن' تہی داماں  
 جس نے یوں سال دن گزارے ہیں      بھوک میں اپنے دن گزارے ہیں  
 پیر من تن پہ تار تار اس کا      کوئی محرم نہ دوستدار اس کا  
 تپتی ریتوں پہ محو خواب کہیں      تیز کانٹوں سے رخم پیب کہیں  
 چلتی تیغوں کے درمیان کبھی      کنکروں سے لہو لبان کبھی  
 ذرہ ذرہ عدوئے جاں اس کا      تشہ خون ہے اک جہاں اس کا  
 ہاں مگر لب جب اُسکے ملتے ہیں      دل کے مرجھائے پھوں کھتے ہیں  
 جب وہ پیغام حق سنا تا ہے      وجد میں دو جہاں کو لاتا ہے  
 جب وہ اونچی صدا سے کہتا ہے      بادیاں ادا سے کہتا ہے  
 مگر ہو ! تم یہ کیا سمجھتے ہو      پتھروں کو خدا سمجھتے ہو  
 دل دہتے ہیں قہر مانوں کے      دیئے بجھتے ہیں کفر خانوں کے  
 بات یہ کیا زبان سے نکلی      لاکھ ٹکوار میان سے نکلی  
 ظالموں کی اذیتیں اک سمت      اور خدا کی مشیتیں اک سمت



دیکھنا تیز چوہ کی لہ میں  
 نئے سے دور اور مدینے کے پاس  
 چاربا ہے وہ کوئی راہ نور  
 ساندنی پر سوار جاتا ہے  
 ساتھ اک صدق جاں روانہ ہے  
 میر تکہ کچھ اور منظر ہے  
 شب ہے اندھیرا گہرا گہرا ہے  
 وہ چیمبر کی چارپائی پر  
 اندھیوں کی شراروں میں  
 چاربا ہے کوئی بہشت لٹاں  
 وہ جہاں انکی پاک چلوں کی مرا  
 درمیانِ خبر جاتا ہے  
 عشق کا کارواں روانہ ہے  
 مرقعہ ہے نبی کا بستر ہے  
 چاربا قاتلوں کا پہرا ہے  
 مست ہے بے سمجھ خدائی پر

سوئے میثرب نبی کی باغ ابھی  
 روئے صحرا کے نیلے نیلے پر  
 اس طرف سے رسول اگر گزرے  
 آہ وہ راستہ بیاباں کا  
 اس کی پاکیزہ خاک کیا کہنا  
 جس کے دروں کو رشکِ ماد تمام  
 نقشِ پا دے کے جس کے سینے کو  
 کاش وہ خاک مجھ کو مل جائے  
 گلر کے خرمنوں سے آگ انھی  
 آج قدغن ہے ہر قبیلے پر  
 تو وہ کٹوا کے اپنا سر گزرے  
 خطِ نوری جبینِ ایماں کا  
 خاک اور تابناک کیا کہنا  
 کر گیا ناقہ نبی کا خرام  
 میرا آقا گیا مدینے کو  
 سرمہ پاک مجھ کو مل جائے

تکھٹ تل میں زید و کوس مر  
رندوں سے سیاد خانہ میں

میں اسے رکھ کر آنکھ کے تل میں  
خبرگاہ چوں زمانے میں

کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ  
اس کی موجوں کے ساتھ بہتے ہیں  
تیرتے ہیں لبو کے دھارے پر  
آخری وقت مسکراتے ہیں  
ایکا ایک ایک سانس بدراختش  
چور زخموں سے خون میں قلعہ پت  
تازیانوں کی چوٹ کھاتا ہے  
اس کے ہونٹوں پہ لا الہ کا ذکر

جو نبی کے قریب ہیں وہ لوگ  
اسکے قدموں کے ساتھ رہتے ہیں  
اسکے ابرو کے ہر اشارے پر  
انہی عزت پہ سر نہاتے ہیں  
نئے قدموں میں وہ ت کوئین  
ہاں وہ دیکھو بلاء کی حالت  
کرم ریتی پہ تھماتا ہے  
سوت کا خوف ہے نہ زیست کی فکر

وقت اسلامیوں پہ بھاری ہے  
ہن سن زینہ اکیلا ہے  
دار کرنے کو میں محمد پر  
جان و مال سر پہنی جان نبی  
سارے معصی کے لاتے ہیں

دیکھنا جنگ اُحد کی جاری ہے  
چار سو کافروں کا ریلہ ہے  
اُس نے دیکھا کہ چند پیکر شر  
دوڑ کر آکے درمیان نبی  
لاش اس کی اٹھا کے لاتے ہیں

اک نفس کا خردش باقی ہے  
 ابھی چو آرزو سی ہے دس میں  
 پاپ محبوب سے چمٹتا ہے  
 مستراتا ہے جان دیتا ہے  
 آخری سانس اور پہ پائے نبی  
 درج انسانیت کے دُر دانے  
 موت ان کیسے عبادت ہے

ابھی آچھ اس میں ہوش باقی ہے  
 دم آخر کے وقت مشکل میں  
 اپنے سینے کے بل کھٹتا ہے  
 اُن کے قدموں کو چوم لیتا ہے  
 آہ یہ رَحْمۃِ فدائے نبی  
 آہ یہ شمعِ حق کے پروانے  
 کیا محبت ہے کیا ارادت ہے

زیڈ کے ہاتھ میں نشان دیکھو  
 جس کو اسلام نے کیا آزاد  
 دونوں عالم میں شد کامی ملی  
 ہے وہ شاہِ عرب کے قدموں میں  
 آج سردارِ فوج ہے وہ غلام  
 لڑتا ہے فوج بے پناہ کے ساتھ  
 لائے خاطر میں وہ بھلا کس کو  
 اس کے طوفاں کو کون روک سکے  
 تسمہ اس کی رکاب کا تھامے

جنگِ موتہ کا اک سماں دیکھو  
 زیڈ وہ اک غلامِ پاک نہاد  
 جب نبیؐ کی اسے غلامی ملی  
 ہر گھڑی راحتوں میں صدموں میں  
 یہ ہے رنگِ اخوتِ اسلام  
 وہ جری تمیں سو سپاہ کے ساتھ  
 ہو محبتِ رسولؐ سے جس کو  
 اس کی ہمت کو کون ٹوک سکے  
 ہیں رواں زندگی کے ہنگامے

جو چھو اس محفل حیات میں تے  
 موت اس میں سے شے یں جام  
 آری ہے وہ فقیاب سپہ  
 میر شکر نہیں ہے شکر میں  
 وہ گہراب نہیں خزانے میں  
 آب گوں دیدہٴ عیمیر ہے  
 اسکے زخموں کا خون چہرے کی جھول  
 وہ عدم کی طرف روانہ ہے  
 اس کی بچی کو دیکھ کر رنجور  
 باپ کا صدمہ کیا پڑا اُس پر  
 رحمت دو جہاں کے سائے میں  
 جس کے سر پر نئی کا سایہ ہے  
 اس کا جینا ہے اس کا مرنا ہے  
 ایک منزل ہے اس کے ایماں کی  
 لو لگا کر خدا کی ہستی سے  
 رُوح میں شورِ شمسِ زمانوں کی  
 دل میں سامانِ سو اُجالے کا  
 انہی باک اسٹے پاک بات میں ہے  
 آخری گھونٹ اور عمر وہاں  
 ش زید شہید کے ہمراہ  
 صف ماتم بچھی ہے گھر گھر میں  
 ایک کھرام ہے مدینے میں  
 مرنے والے کا کیا مقدر ہے  
 پارسی ہے نئی کی آنکھ سے پھول  
 ساتھ یہ بے بہا خزانہ ہے  
 اسکے اشکوں کو چومتے ہیں حضور  
 نھلک پڑی رحمتِ خدا اُس پر  
 فرق کیا اپنے اور پرائے میں  
 اسکی دُنیا ہے اس کی مایا ہے  
 ڈوب کر بھی اُسے اُبھرتا ہے  
 مریبندی مقامِ انساں کی  
 آدمی کو اٹھاتا لپستی سے  
 سانس میں کر دیناں جہانوں کی  
 ہاتھ میں پلو کھلی والے کا

## زندانی

دردوں کے مارے دو قیدی !  
زنجیروں کی چھنکاروں میں  
اک غم گیس سا ' اک حیراں سی  
کالی کالی کوٹھڑیوں میں  
دونوں کی نظروں پر پہرے  
ہونتوں پر مہریں چسپاں سی  
لکھوں آرزوئیں ' امیدیں  
دوزخ کے ناگوں کی صورت  
سینوں میں غطوں غطوں سی  
سبے سبے سے قدموں کی  
آہٹ کان میں آجاتی ہے  
آہٹ ! مدغم سی ' بے جاں سی  
تو اک چرخے کی گھوٹ گھوٹ میں  
غم سی ہو کر رہی جاتی ہے  
خوف ' زدہ ' پڑمعتی کھانسی  
پھر وہی جلاوٹوں کی نگاہیں  
پھر وہی سنگینوں کی نوکیں  
پھر وہی خنجر ' پھر وہی پھانسی

## ریڈنگ روم

میز پر اخبار کے پھیلے ورق  
کھڑے کھڑے تیرے تیرے ہاتھ چاک  
دھل گئی ہے قلاب الفاظ میں  
سینے زخموں کی آواز درد ناک  
پاک سی دیوار کو جیسے ہونے  
ریڈیو کمرے میں 'محبوبیاں'  
چینٹی ہیں جامہ آواز میں  
خون کے پھینٹے 'لبو کی بوندیاں'

شام ریڈنگ روم کی مغموم شام  
چند کان 'اعلاچی کی بات پر  
چند آنکھیں 'سوچ میں' اپنی ہوئیں  
مرنگز 'اخبار کے صفحات پر  
ایک کمرے میں سمٹ کر آگئے  
کتے دھڑوں کے صدا پیکر حروف

کہتے درودوں کے مسطر زمزے  
کہتے اندھے گیانی 'بہرے فیلسوف' !

پھر بھی کچھ ادراک میں آتا نہیں  
کیا ہے رقص گردش ایام ' کیا ' !  
اک شکستہ ناؤ اک خونی بھنور  
کیا ہے اس افسانے کا انجام ' کیا ' ؟  
یہ مفکر کچھ سمجھ سکتے نہیں ' !

چیمت کے نیچے 'روزنوں کے درمیاں  
گول گول آنکھوں کے اندر محدودید  
کالے پارے کی مرقع پتلیاں

کاش یہ حیراں کبوتر جانتے  
خفتہ ہے ان کاغذوں کی سطح پر  
کہتے پھٹتے آشیانوں کا دھواں  
کہتے ٹنچیروں کی آہوں کے شر  
ہیں ان آوازوں کے اندر پرکٹ

کتے ٹرس، جن کو مرداروں کی بو  
 پہنچانی ہوتی ہے، مردیوار باغ،  
 چھت کے نیچے، مضطرب، نظارہ خو  
 قدر مند آنکھوں میں حیراں چٹتیاں

یہ کہہ کر وہ دیکھتے تھے نہیں  
دیکھتے ہیں۔ سوچتے ہیں۔ کیا کریں۔  
یہ مفکر چچہ بھوجو کہتے نہیں !



## لاہور میں

ڈاک خانے کے ٹکٹ گھر پر خریداروں کی بھینٹ،  
ایک چوڑی حلقے پر چوہ دواتیں — اک قلم  
یہ قسم میں نے اٹھایا اور خط لکھنے لگا۔  
”پیارے ماموں جی!“

”دعا کیجئے — خدا — رکھ لے — مجرم  
”آج انٹرویو ہے!“ — کل تک فیصلہ ہو جاے گا  
”دیکھیں کیا ہو؟ مجھ کو ڈر ہے“

اتنے میں تم آئیں!  
”اک ذرا“ کلینف فرما کر پتہ کھ دیجئے!  
میں نے تم سے وہ غنائف لے لیا، بھجوا کا نہیں!  
”بے دحرک“ لکھ! الا میں نے ”کاپتے باتھیں“ کیساتھ  
مختصر زنجیریں پتہ ”قلبت میں — وہ سارے نام“  
”شکریہ“ — ”جی کیسا؟“ — اک ہنسی غمہ زید نقاب  
ڈاک میں خط — مانگہ ٹھہل روڈ کو — تمہارا تمام!

## غزل

آواز گلستاں کو بہ مضرابِ خار چھیڑ  
مطرب کوئی ترانہ پیدا بہار چھیڑ

سوئے ہوئے سکوتِ چمن کو ذرا دگا  
چھ تو — نوا طرازِ غم رہ زگار — چھیڑ

گل یہ جگہ تھی، ادنیٰ نکبتِ زباب اٹھا  
گل یہں جھوم گل تھا، سرورِ بہار چھیڑ

قصہ کوئی بہ ماتمِ جام و سید سنا  
نغمہ کوئی بہ تعزیتِ سبزہ زار چھیڑ

بچھ بھی نہ ہو خزاں تو ہے اک راغنیِ الاپ  
برخس ہے ایک سازِ نوا در کنار چھیڑ

شاید پٹ کے آنہ سکے اب بہار گھا  
پڑ مردہ شاخسار پہ جھک کر ستار چھیڑ

## قبلا خاں

خانا، وہیں قند خاں نے رنگ محل سے سارے  
 لرزیز اس یونی ندی پر جس کی مقدس موجیں  
 گہری اور اتھاہ راڑوں کے سینوں کو ڈستی  
 گھورانہ حیروں کے سار میں بسالیں اپنی ہستی  
 دور ذور تک سونا اگلتی دھرتی کا پھیلاؤ  
 جس کے چاروں اور فصیلیں گنبد اور منارے  
 باغ۔ جو ہستی آب و ہوا کی چنچل سے چمکیں  
 جو جھل جھل خوشبوؤں سے لدے پھندے اشجار  
 بوڑھے جنگل۔ جیسے پرانے پہاڑوں کے ہمراز  
 کہیں کہیں جن کی وسعت میں  
 دھوپ میں لپٹے سبزہ زار

اوہ اوہ دیکھو

گھنے گھنیرے پیڑوں کے اس پار  
 سبز چٹانوں کے سینوں میں گہرے بھیاںک غار  
 ہیبت ناک مقام  
 ریسی پاکیزگیوں کا ایک فسوں دوام

جیسے ڈھلتے چاند کی پہلی چھایا میں جل جا میں  
 برہا کی انگلی میں جل منے والی اک دیوہا اسی ق پر چھایا میں  
 یہی وہ غار یہی وہ گھاؤ  
 جس کی تھاہ سے اچھے کھولے  
 ایک ابلتے چٹھے کی آن تھک آوازوں کا وہ اواز  
 جو دھرتی کی بانہی چھاتی میں بے گل سانسوں کی مانند  
 تڑپے اور تر پتا جائے  
 جس سے جھم جھم برسیں  
 جلتی چٹانوں کے سیاں انکارے  
 جیسے قہقہے تو سے پر بھجے دانوں کی کلہاڑ  
 انہی اچھتی چٹانوں کے نھر مٹ سے ابھر کر ڈوبے  
 وہی مقدس دریا جس کی موجیں  
 گہری اور اتھاہ درازوں کے سینوں کو ڈستی  
 گھور اندھیروں کے ساگر میں بسا لیں اپنی ہستی  
 یہی ہے وہ ہنگامہ صوت سنگ و فرش دریا  
 جس کے روپ میں قبلا خاں کے کانوں سے ٹکرائیں  
 گزرے بلوانوں کی صدا میں  
 جنگ کے نثارے کی دھم دھم

## ایک دُعا

(جسے درجہ قبولیت نصیب ہوا)

خداق .. جہاں 'میری آنکھوں کو نور دے  
چشمی ہوئی یہ دولت کیف و سرور دے  
پھر قوت تھرو دشت و دیار بخش ا  
پھر حالت مشاہدہ نزد و دور دے  
مجھ پر "مستمع" نصیر کر  
مجھ کو نوید لطف خدائے غفور دے  
اللہ ! مجھ کو دیدہ بیندہ کر عطا  
مولا ! تو ہی دوائے دلِ ماصبور دے  
پھر سائپ میری آنکھوں کو آنکھوں کی روشنی  
یہ میری چیز پھر مجھے دے اور ضرور دے

## غزل

ضمیر رازِ داں ہے اور \* میں ہوں  
جہاں اندر جہاں ہے اور میں ہوں

در چیر مغاں ہے اور میں ہوں  
وہی رطل گراں ہے اور میں ہوں

وہی دور زماں ہے اور میں ہوں  
وہی رسمِ فغاں ہے اور میں ہوں

قربِ رُغف و بو ہے اور تم ہو  
بہارِ صد خزاں ہے اور میں ہوں

جہاں ہے — اور سکوتِ نیم شب ہے  
مرا قلبِ تپاں ہے اور میں ہوں

یہ وہ ساتھی نہ جانے کب چھوڑ جائیں  
مری عمرِ رواں ہے اور میں ہوں

## غزل

چمن چمن میں بہ طغیان رنگ لالہ پھرو  
ختم ختم میں بہ انبوہ صد غزالہ پھرو

سجا کے ہونٹوں پہ اک جشن زہر خند چلو  
چھپ کے سینے میں صد موج آدو نالہ پھرو

روش روش پہ نکھی ہے سیاہیوں کی بساط  
پلک پلک پہ جلا کر چراغ لالہ پھرو

چکیدہ اشک فراداں سے ہے کشیدہ شراب  
جہان قیصر و جم میں تہی پیالہ پھرو

کنارِ دل سے گزرتی اداس راہوں پہ  
ہر ایک سانس ہے عمر ہزار سالہ پھرو

## مشرق و مغرب

نہ خواب مشرق

نہ بحر مغرب

بس اک پچھلی گداز مٹی  
کی چادر ہنر جس کے دامن  
میں کل تھے انبان گندم و جو  
اور آج انبار سیم و آبن

یہ کون سمجھے

یہ کون جانے

کہ اس تپتے ہوئے زمانے

کے سائے میں ڈوبتی سی شمعوں  
کی روشنی ' جو پیالہ گل  
مراجی سنگ ' کوزہ مس  
کو پہچاند کر ' شہر و دشت و ساحل  
سے اٹھتے گرز و سنان و خنجر



چہ جرمی تھی — وہ کانپتی ہو  
 جو آج بھی حلقِ زندگی پر  
 سنبھری ہے اسی کا پرتو  
 جہاں نوے فردوسِ منزلیں  
 میں ڈھل گیا ہے  
 عجیب قصہ ہے ضربِ خارا  
 سے ذہنِ فولادِ جل اٹھا ہے

نہ کوئی مشرق  
 نہ کوئی مغرب

مگر وہ اک فیضِ مراتب  
 جو ان گنت بے زباں تلامیوں  
 کی ٹوٹی پسلیوں پہ کل بھی  
 ہزار کف و دہاں خداؤں  
 کے بوجھ سے کچکچا رہا تھا  
 اور آج بھی اک وہی ترازو  
 کہ جس میں زنجیرِ پیش روں  
 کے شعلہ اندام دست و بازو

بہ منہ ایک اشک نمل رہے ہیں  
 اُتر رہی تھی نصیبِ دوراں  
 یہ نہ غم، یہ اک مسلسل  
 خروشِ انہو پابجولاں  
 ازل کی سرحد سے نسلِ آدم  
 کی یہ سرائیں جور و زوشب گئے  
 عیشِ سناہٹے سے عیم  
 ابھر رہی ہیں یہ چشمِ ولب کے  
 فسانہ ہائے سرشک و شیون  
 اُتر مقدر رہی تھا اپنا  
 تو یہ مقدر یقین جانوا مل نہیں تھا

یہی ہے مشرق  
 یہی ہے مغرب

وہ پارہ ہائے سفال و خارا  
 وہ عقل حیراں کی کارگاہیں  
 وہ جنسِ نایاب، کل ہمارے  
 جہانِ صد ریزہ خرق میں

ہماری دولت تھی ہم خدا تھے  
 اور آئی بھی یہ شرار پیر  
 حقیقتوں کے ظلم سوزاں  
 یہ وسعت بحر، یہ میں غطاں  
 نمبر آہن کی جتنی سانسیں  
 یہ نازے ذرے کے قسب وچاں  
 میں کھولتی قوتوں کے طوفان  
 زمانہ ہے جن کی رو میں تنکا  
 جو آج بھی ہو وجود ابن کا  
 ہماری منہی میں 'ہم خدا ہیں  
 سیابیوں کے پھٹتے ٹم سے  
 ابھرتی کرنوں کا حوصلہ ہیں

## ایک شام

ندی کے لرزتے ہوئے پانیوں پر  
تھرکتی ہوئی شوخ کرنوں نے چنگاریاں گھول دی ہیں  
تھکی دھوپ نے آ کے لہروں کی پھیلی ہوئی نگلی باہوں پہ اپنی تیس گھول دی ہیں  
یہ جوئے رواں ہے

کہ بہتے ہوئے پھول ہیں جن کی خوشبو میں گیتوں کی سسکاریاں ہیں  
یہ پچھلے ہوئے زرد تلے کی چادر پہ ابھی ہوئی سلونیں ہیں  
کہ زنجیر ہائے رواں ہیں!

بس اک شور طوفاں!

کنارا نہ ساحل!

نگاہوں کی حد تک

سلاسل! سلاسل!

کہ جن کو اٹھائے ہوئے ڈولتی پتھریوں کے سفینے بہے جا رہے ہیں  
بہے جا رہے ہیں

کہیں دُور ان گھورانہ حیروں میں جو فاصلوں کی ردائیں لپیٹے کھڑے ہیں  
جہاں پر ابد کا کنارا ہے — اور اک وہ گاؤں،

وہ مگنے کے کیا روں پآتی ہوئی ڈاک گاڑی کے بھورے دھوئیں کی چھمکتی سی چھاؤں!

## منزل

اس ایک بات سے انکار ہو نہیں سکا  
کہ ہم نے اپنے لبو سے 'بساطِ عالم' پر  
لکیر کھینچی ہے جس سلطنت کی 'اس کا وجود  
ہے ایشیا کے شہتوں میں 'صبح نو کی نمود !

یہ سب بجا ہے ' کہ ہم جن جگر کے تلوڑوں کو  
بہ شہر و قریہ ' بہ دشت و چمن ' بہ کوچہ و بام  
بھڑکتی آگ میں جتے لبو میں چھوڑ آئے  
وہ رو میں ' جن کے سید پوش ' ماتمی سائے  
ہمارے جنتے ہوئے پیکروں سے لپٹے ہیں  
وہ قافلے ' کہ جنہیں مہلت سفر نہ ملی  
انہی کے سڑتے ہوئے لوتھڑوں کی ہونکتی بو  
انہی کی ڈوبتی فریادیں ' چیتے آنسو  
ہمارے محلوں کے نئے ہمارے باغوں کے پھول !

غم یہ پھال ' یہ نفی ' یہ تھیں کے جھوم  
 نہ ہو اور مشہور کر نہ سکے  
 تھیں تھیں کو امین بہر کر نہ سکے  
 وہ جن کے واسطے یہ گلستاں سجایا گیا  
 ' اس طرح تھی ' اس ' تھی سب ہی رہے  
 ' سوچو او کہ یہ نازک ' لطیف پرتو نور  
 یہ زرخیزاتی ہواؤں میں ٹھہرا ٹھہرا غرور  
 ہزار ساعت بے برگ کے بیاباں میں  
 یہ اک امنگوں بھری سانس!

اس کا مستقبل؟

ہماری زندگیوں سے اک اک ٹپ لے کر  
 پہلے سے ہیں جو فلک نے ' پہ سبک شام و سحر  
 کھوئے نمائے نے ' چہ ' طرب کے لئے  
 سدا بہار اراکوں کے ہار

ان کا حال؟

یہی سب ہے راز غم زمان و زمیں '   
 منظور ' ان کا زمین پر تھن جواب نہیں

## دُھوپ چھاؤں

پہنٹی ندیاں

نُچھوڑتے مچھاتے ہیں

احیائی دھوپ

ان سے بھی آگے دوڑتیں دوانیا

جس کا رُوپ

آنے والے مست دنوں کے دنوں پر مسکان

سے سے کا دھیان !

پہنٹی چھینکی چاندنیاں

اور کبلی کبلی دھوپ

جن کی اڑتی راکھ میں جھلکے جیتے دنوں کا رُوپ

سناٹوں کی گھمگھم میں ڈوبتا ڈوبتا ریت

سے سے کی ریت

من کی یہ چنچل لہریں ' ان کا کوئی نہ ٹھور مقام  
دن ' نرے تو صبح سویرا ' رات کئے تو شام  
ساون ساون ' جلتے جھونکے  
پلک پلک ' برسات  
سے سے کی بات

(۱۲-۱۹۵۱)



## اکھیاں کیوں مسکائیں

کون بتائے روپ نگر کی سکھیاں اکھیاں کیوں مسکائیں  
دل کے راگ محل کی تائیں  
سندیوں کے دیس سے ہو کے  
پائل کی جھکار کو رو کے  
جب ہونٹوں کے دروازوں پر مچھپ چھپ آئیں ٹلک جائیں  
اکھیاں کیوں مسکائیں

پھند کے سناٹوں کے جزیرے  
مہر بلب سانسوں کے بیاباں  
آن بسیں جب رقصاں رقصاں  
اک لمحے کے رین بسیرے میں ارمانوں کی پرچھائیں  
اکھیاں کیوں مسکائیں

مگو ٹھٹھ کھوئے 'نہ منہ سے بولے  
 من کی بانی 'چنچل رانی'  
 جب یہ کہانی 'دورانِ بانی'  
 دنیاؤں سے گزرے بن کر دھیمی بانسریوں کی صدا آئیں  
 اکھیاں کیوں مسکائیں

(۸-۱۲-۱۹۵۲)

## ایک خیال

تمہارے ہونٹ وہ تھکتے سے ریڑہ باب نہات  
مرے لبوں سے ملے جھٹکتی جھٹکتی پلوں کے سات  
تو جھونکے جھونکے میں ہر مٹی شمیم حیات

کسے خبر، کہ پھیلتا ہوا وہ جسم ہمیں  
مری بچنی ہوئی باہوں کی دولت رتھیں  
اب اس کی خاک بھی خاک حد میں ہے کہ نہیں

تمہاری مگردگفن اور جھوم کر تک مگور  
مصاحبان اجل، سنگ و پابریدہ و کور  
بس ایک میری نوا میں، تمہاری روح کا شور

میں زندہ ہوں تو مری زندگی تمہاری حیات  
وہ نہ یوں تو ہے کس کو دوام، کس کو ثبات  
نفس نفس، سر ظلمات، پر تو ظلمات

## جیون ویس

مجھے یقیں تھا

میں جانتا تھا

کہ اس اندھیرے گھنیرے جنگل میں جس کے شانوں

پہ تیرتے بادلوں کے سائے — سیاہ گیسو

بکھر گئے ہیں ضرور کرنوں لدے جہانوں

کا کوئی پر تو اڑھلی ڈھلی ڈھوپ کا تبسم

کہیں درختوں کے خمیلیں بہز سائبانوں

سے چھن کے اس نغمہ رنڈی پر جھلک اٹھے گا

جو آنکھ اوجھل مسرتوں کے حسین ٹھکانوں

کی اوٹ سے پھوٹے آج لوں میں بہہ رہی ہے

مرے خیالوں میں بہہ رہی ہے !

یہاں جانے

یہاں سمجھے

۔ جب بھی اس گھومتی زمیں پر کسی سہانے  
سے نغمہ میں اٹھی ہیں ترسی ہوئی نگاہیں  
توڑے درے میں زندگی کے نگار خانے  
کی جھمکتی ہوئی مسکند جیس سا مہنی ہیں  
دن خاموشیوں میں ڈوبے ہوئے ترانے  
نہی کے سینے سے موج بن کر گزر گئے ہیں  
مرے خیالوں میں بھر گئے ہیں

(۱۹۵۳ء)

## نہ کوئی سلطنتِ غم ہے نہ اقلیمِ طرب

کیا کہوں، کتنے غموں، کتنے غموں کی شکن آلود بساط  
وقت کے غموں میں زینوں پہ مرے رکتے ہوئے قدموں کے سات  
کس طرح بچھتی اپنی ہی چلی آئی ہے  
کیا بتاؤں یہ کہانی بڑی طولانی ہے

یہ مرا قصہ غم کون سنے؟ کس کو سن دے — کس کو  
اپنے احساس کا وہ جتنا ہوا زہر پلاؤں — جس کو  
پیتے پیتے مری اک مرنی ہے اک تر  
دیکھتے ہو وہ جواک جادہ نورانی ہے

وہ جواک مبوز ہے اور وہ جو جھروکا ہے سر بام بلند  
کبھی پہنچی نہیں جس تک سحر و شام کے سایوں کی کند  
وہ جو بچھتی ہوئی مرنی ہوئی دیواریں ہیں  
جن کا منصب انہی گلیوں کی تنہائی ہے

۱۰ جو سر شام انہی کلیوں میں کوئی مست سی ہے  
 نہ بوت ہوئے دروازوں کے آہنگ میں تھیں جاتی ہے  
 ۱۱ غموں کی سفر شب کے تسلسل کی نیب  
 نہی میت پہ اندھیروں نے راتانی ہے  
 میں نے اک عمر اسی معمور و ظلمات میں رقصاں خواں  
 مرقدہ اپنے ہی قدموں کی صدوں سے تریزاں 'مرزاں'  
 ہر جام سے چھینے ہوئے نشوں میں مٹن  
 و کمال راہوں کی یوں خاک پہ سر چھانی ہے  
 مٹن طرہ یک سہارے کی تمنا میں کسی بونستہ تارے کی حیات  
 نہ و نحر کے سفینوں کی طرف اپنے بڑھانے ہوئے مات  
 نہ اندک سے نکرا کے بھسم ہو جاے  
 (ان خداؤں میں کسے تاب پر افشانی ہے)

میں جی پلوں پہ اسگوں کے دیے کے رُجے ہوئے طوفانوں میں  
 نہر تھا کہ اچانک کہیں باغوں میں 'بیابانوں' میں  
 کے بس جائے کسی نغمہ شیریں کی بہارا  
 یہ مرے مُرد جو پھیلی ہوئی دیرانی ہے

جیہاں ریزہ صد ساغر بشکستہ سے کلیں پھونٹیں  
 میں نہیں کہتا کہ کلیں نہیں جلیں مرے گلزاروں میں

مجھ کو یہ غم ہے وہ اک لمحہ تائب کہ جو  
 حاصل سلطنت عالم امکانی ہے  
 جب مری زیست سے ٹکرا کے بھسم ہو بھی گیا تب مجھے معلوم ہوا  
 تب میں سمجھا کہ یہ راہیں یہ گھر وندے یہ پھبکتی دنیا  
 اب یہ سب کچھ غم جاوید کی اک دھڑکن ہے  
 اب یہی زخم ہیں اور شغل گس رانی ہے

آج بھی جب کہیں رستے میں کسی موڑ کسی منزل پر  
 کسی دیوار سے ٹکرا بھی پھسل جاتا ہے  
 کوئی دامن کہ جسے تاز گل افشانی ہے  
 دھوپ میں سوکھتی خرما کی چنگیروں سے بھرے کوٹھوں سے  
 ایک پل کے لئے اڑتا ہے سنتا ہے تو دھیرے دھیرے  
 کوئی لے سی مرے احساس میں بھر جاتی ہے  
 تارِ بربط کی کوئی لرزش پنہانی ہے

جو شب و روز کے ایوان میں نفاں بن کے بکھر جاتی ہے  
 آسمانوں سے زمینوں سے کسی دل کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے  
 کوئی چپکے سے مرے کان میں کہہ جاتا ہے  
 سنتے ہو کس کی یہ آواز ہے پہچانی ہے؟



”یوں کب تک صبح و شام جھیں  
 بے سوہ جلیں ، ناکام جھیں  
 جب دنیا واس ہو جا میں  
 چٹھے سپنوں میں کتو جا میں  
 جب چلتے رہیں ختم جا میں  
 تاروں کی نکاتیں جم جا میں  
 دب آگے بجے چو پاؤں کی  
 جب آنکھ کے رخصتوں کی  
 دیوار و در سے چلتے ہوئے  
 سائے کی طرح سمٹتے ہوئے  
 دو بھک منٹوں کے بھیس میں ہم  
 جا نکلیں اک اور دیس میں ہم  
 کچھ دور ’افق کے پار‘ ادھر  
 ہے ایک نیا سنسار ‘ ادھر  
 خوشیوں کی سنگاروں کی دنیا  
 پھولوں کی بہاروں کی دنیا“

آج اس فرصت یک گام کو روتا ہوں جب اک لغزش پا

چھین کر لے گئی مجھ سے وہ امنوں سے پھلتی دنیا

آہ وہ دنیا جسے خوابوں میں چھپا کر رکھا  
 یوں تو آفتاب میں دُباؤں کی آرائش ہے  
 نغموں میں تارے جی ہیں، نورِ شید بھی ہے ماہ بھی ہے  
 کون جانے کہ زمانے کے سمندر کی کوئی تھوہ بھی ہے  
 لیکن کدو کی جیسے خوابوں میں پھر پانہ رکھا  
 جس کے ماتم میں مری چاک سُرِ پانی ہے  
 میری سم خور و تمسوں کی نظروں سے سُرِ یزاں ہی رہی  
 لاکھ ڈھونڈھا، مگر محسوس نہ اک رنج پوشیاں جگہی  
 بوجھ بن کر مری تقدیر کی پٹوں پہ رہا  
 اب مریں ہے کہ کدو کا مہِ خیرانی ہے  
 اب یہ دنیا، یہ صدا کوٹش، نیسیوں سے بھرے شہر و دیار  
 غموں خوشیوں کے جھمیوں میں نہاتی ہوئی روحوں کا نکھار  
 مجھ سے پوچھو تو مرے سامنے اب یہ دنیا  
 رقی مصحفِ ندوہ گرس جانی ہے

سوچتا ہوں یہی وہ تھوٹ جو میں نے کمرِ دوراں سے پچے  
 یہی دوسرا سس، شبستانِ بد میں یہی دو نکھتے دیے —  
 دہش و فشا، اکی صیہوں میں یہی دو رخنے  
 یہی جو سلسلہ زندگی فانی ہے

کیا اسی ساعت محرومی غمِ تپ کی خاطر میں نے  
 اسعتِ وادی ایاں میں کائناتوں کے قدم چومے تھے ؟  
 انہوں دنیاؤں کے اُٹتے ہوئے حیاؤں سے  
 میرا حصہ بھی میری تھی ، مٹی ہے ۔

کیا اسی واسطے ماضی کے سختیوں سے اک مہج حیات  
 اپنے ہمراہ لیے ناچتی گاتی ہوئی صدیوں کی برت  
 آگے میں ساحل گل پوش سے نکل کر ہے ؟  
 کیا یہی مقصد صد عام کا کافی ہے  
 کہ جب اس سطحِ حرد شدہ پہاڑوں میں کوئی راحت طرب  
 کوئی تھک ، کوئی جگہ ، کوئی تبسم ، کوئی جینے کا سبب  
 آسمانوں سے صدا آئے " تو کیا ، جو بدعت ہے  
 تیرا سماں تو یہی ہے سرور مانی ہے "

عقل حیران ہے ' یہ خرو خجباتِ حریمِ اسرار  
 عقدہ راحت و غم ، رز جہانِ گل و خار  
 پہ زنجیرِ ارادوں کا خروش پیہر  
 یہی مستقبلِ معمورہ انسانی ہے ؟  
 کس کی فتراک میں میں عرشِ بریں فوس میں ؟ کون کہے  
 پس صد پردہ افلاک کوئی نے کہ نہیں ؟ کون کہے —

جائے کہ ہندوؤں سے خلیا پاتی ہے  
 درحقیقت یہ حقیقت کی جو کتابی ہے  
 ستے رہوں سے جا مراں سے تاب کی پر مرد و جہیں—  
 اس سے جیسا ہمیں اس جتنے ہوئے دیں میں؟ معلوم نہیں  
 میں نہ اپنے دم میں کو بہلاؤ کوئی  
 ان کہتے ہے گلستان میں بہر آتی ہے

بقی میں آتی ہے کہ اک بار غم زیت پہ احساں و حر  
 ایک مردوں میں اُتے ہوئے زہر اب سے اک غم تر  
 (ایک گراں کہ ابد رنگ شکر میں جس کے  
 خوبتے اردوں کا ہنگامہ لافانی ہے)  
 ن زہر اب سے غم بھر کے چٹے دُور افق دوراں پر  
 آنکھیں آگ پر سنے لگے اس پھولوں بھرے بستوں پر

اب یہی دھن ہے کہ اس خلعت ہے پایاں  
 جو سری روت سے یوان کی زندانی ہے

اُن کے پھیلاؤں انہی اونچے درختوں سے ہاتھی راہوں پر  
 نہیں اندرانی سائی، صوب میں لہرائی چراگاہوں پر

سب راو ہے کہ ان بس بھرے ارمانوں کو  
 نئے سائوں میں مری زیست کی دیرانی ہے  
 بدل دوں جھوٹے جھوٹوں کے چھکتے ہوئے چہ زوں میں  
 سینہ دشت پہ بجتی ہوئی شہنائیوں کی تانوں میں

یہ تھا ہوں کہ یہ زیست کے جنگل کا سکوت  
 بس کی وسعت ہے کہ اک عالم حیرانی ہے  
 میری کھوئی ہوئی دنیاؤں کے کبرام سے تھرا اٹھے —

سب یہ ٹھانی ہے کہ ترقی مونی بندوں کے یہ نیکی چھینے  
 تیز جھانوں کے یہ چاہے کہ حسن کی زور پر  
 کبڑے رستوں کی تھکی پیٹھ کی حیرانی ہے  
 یہ دھواں دھوپ تانی یہ انہوں ہمارے پرانوں کی فسیں  
 دھڑکنے چوٹیوں اور بدلتے آسمان کی سرحد نیکیں  
 برف کی بدلیاں جن کے لب تر سے پیوست  
 برف کی چوٹیوں کی وہاں پیشانی ہے  
 ہاں یہ سب سلسلہ رنج یہ ہوار کُ حسن و افسوں —  
 میں اسے اپنی کھی روت کی ان رائیوں سے بھر دوں

جن کی ہریں ابھی آنسو میں ابھی آہیں ہیں  
جن کی غدیر ابھی آگ ابھی پانی ہے

کوئی غایت، کوئی منزل، کوئی حاصل سر ہستی کا —  
کوئی مقصود بلندی کا کہ مفہوم کوئی پستی کا ؟ —  
کوئی مشعل بھی نہیں کوئی کرن بھی تو نہیں  
شب اندھیری ہے گھٹا ٹوپ ہے طوفانی ہے  
بولو اے نغمہ سراپانِ تحیر کدو کا بکشاں  
میں کہاں جاؤں، کہاں جاؤں، کہاں جاؤں کہاں ؟

## نغمہ کو اکب

دائیموس:

ناج ناج جھوم جھوم

گھوم گھوم گھوم گھوم

دیکھنا ادھر ضرور اک نظر

اچھا ہے نزد و دور بے خبر

دامن نگار نور تمام کر

بکشاں کے موڑ پر فصلوں کا اک جھوم

ناج ناج گھوم گھوم

اک ترنگ	ہفت اید پناہ
اک انگ	ملم شب سیاہ
سحر رنگ	مزہیں ' نشان راہ
آگ آگ روم روم	شعر شکر انگ انگ
گھوم گھوم	گھوم گھوم

دوس

دب جلتے رہے دنیے جلتے رہے  
 کھم کھم اٹھ دھوئیں کے ذل  
 جگ جگ پھیل گئے کاجل  
 دم دم ' دھم دھم ' مگرے محل  
 مٹی ہوئی صدیوں میں تل  
 ڈھلتے رہے  
 دیے جلتے رہے

کتنے زمانے ' کتنے سپن  
 توڑ گئے اپنے درپن  
 نیر بہاتے رہے سن

وقت کے جھنڈ جھنڈ

جھٹ رہے

دیے بنے رہے

اندھیاروں کے زہر ہے

آنکھوں کو گل رنگ کے

امر اُجالے لو میں لیے

جیون کی منڈلی میں دیے

جلتے رہے

دیے جلتے رہے

ارساؤں :

بھنور بھنور مری نو کا

کوئی ساحل ہے نہ کنارہ

اک پھیلا بڑھتا دھارا

ہے مگر مگر مری نو کا ' بھنور بھنور

ہر آن رتوں کا میلہ

ہر سمت سے کا ریلہ

چلے گھر گھر مری نو کا ' بھنور بھنور



بوجھ استے ہیں کڑیل جن کے

یہ دکھ سکھ ' بہتے تنکے

مریں اجراجر مری دکھا ' بھنور بھنور

کتی ہوئی من کی بانی

تقدیر جہاں کی رانی

پھرے سنور سنور مری دکھا ' بھنور بھنور

پلو طو:

کتی اندھیری رات ہے چمکو

چمکو

شام دھڑکی اوٹ سے بروہ

چیم

گھور رہے ہیں طوفان ہم کو

چنبو

دیکھو ' تیرگیوں کے قتلے

کتنے

روند چلے عالم عالم کو

چمکو!

تھو میں سواو اک اک پل کو

جھٹکو!

من میں بجھا او شعلہ غم کو

چٹکو!

آتے ہوئے قرون کا تبسم

بہر تر

جھٹک رہو ، مجھ جھڑ جھٹکو

پٹکو

تنتی اندھیری رات ہے چکو

چکو

کرڈا رص

نہ نکلے خاک نہیں ، نہ نہ بوس دور کہیں

نہ کوئی ، الہی یمن نہ شمع ہو کہیں

نہ چمکی ہے راکھ میں ، نہ بے صبر کہیں

پہ ہے شیشہ افلاک چور چور کہیں

پہاں کے جہنم میں ، مرے ابدی پتیک کوئی

نظر کے سامنے ، حد نضر سے دور کہیں

مقدموں کے جہاں ، جہاں ندیہاں میں

بھٹک نہ جائے مرا شوقِ ماصبر کہیں  
 یہ اضطرابِ مسلسل کی حوں چکاں گھڑیاں  
 ہے ان سے بڑھ کے کوئی دولت سرور کہیں  
 اگر ہمیں بھری دنیا میں مُسکرا نہ سکے  
 تو ڈول جائیں گے یہ سلسلے ضرور کہیں

شہر در شہر منادی ہے کہ ”اے خندہ فروشانِ حیات!  
 ہر بجھی رُوح کے آئین میں کھلا ہے چمن امکانات  
 نہ کوئی سلطنتِ غم ہے نہ اقلیمِ طرب  
 زندگی ہی فقط آئینِ جہاں بانی ہے ‘  
 جانے کس تیرہ افق سے یہ گھٹاؤں کے تھرکتے سارے  
 ماہتابوں کے چمکتے ہوئے سینوں سے تھر کر آئے  
 ساتھ لے کر وہ ٹھک موج ‘ خماریں جھونکے  
 جن کی زد میں مری تپتی ہوئی پیشانی ہے  
 اپنے سینے میں جگا کر انہی دردوں ‘ انہی یادوں کے فسوں  
 پھر تمناؤں کے تصویرِ کدے میں نگراں بیٹھا ہوں  
 سامنے صفحہ صد رنگِ رموزِ کونین  
 کانپتی انگلیوں میں موقلم مانی ہے ‘

## زگس

میں نے حسرت بھری نظروں سے تجھے دیکھا ہے  
جب تو روزِ اک نئے بہرِ پ میں روزِ اک نئے انداز کے سات  
اپنی ان گاتی ہوئی انگلیوں کی چشمک طناز کے سات  
روزِ اک تازہ صنمِ خاتہ آہنگ میں درآئی ہے!

ایکٹریس! زوپ کی رانی! تجھے معلوم نہیں!  
کس طرح تیرے خیالوں کے بھنور میں جی کر  
کن تمناؤں کا تلخا پہ نوشیں پی کر  
میں نے اک عمر ترے ناپتے سایوں کی پرستش کی ہے  
تو نے اک عظمتِ صدرِ رنگ سے جس جذبے کو  
آج تک اپنے لیے مُزدِ ہزارِ اشک سمجھ رکھا ہے  
وہ محبت مرے سینے میں ترپتی ہوئی اک دنیا ہے  
جو ترے قدموں کی ہر چاپ پہ چونک اُٹھتی ہے

کاش میں بھی وہی اک عکسِ درخشاں ہوتا  
دلِ انساں سے ابھرتی ہوئی موبہم تمناؤں کا عکس  
ایک مانگی ہوئی اچکن میں سایہِ نوا موری قفاں ٹھنک  
جس کے پہلو میں تری روحِ وحزک سکتی ہے

## غزل

اک دو کہ جن کی فکر ہے ارض و سما شکار  
اک تو کہ ہے طلسم شب و روز کا شکار

لاؤ کہیں سے کوئی ضمیر فرشتہ صید  
ذو نغہ صحراییں سے کوئی نگاہ خدا شکار

اس انجمن میں دیکھیے اہل وفا کے ظرف  
کوئی ادا شناس ہے کوئی ادا شکار

آتا ہے خود ہی چوٹ پہ صید سبک مراد  
ہوتا ہے ورنہ کون ز کار قضا شکار

ظلم ہما کی اوٹ میں چلے پہ تیر رکھ  
آساں نہیں نگاہ کے تجھیر کا شکار

جولاں گہ حیات انہی کی ہے دوستو  
فراق میں ہے جن کے دل مدعا شکار

## غزل

نہیں سنتا کوئی مجھ کشتِ آلام کے شکوے  
کیے میں نے براک ایواں کی چوکھٹ تمام کے شکوے

شفق کے رنگ آنکھوں میں 'سحر کی اوس پلکوں پر  
نہ آئے پھر بھی لب پر چرخِ نیلی قام کے شکوے

یہ کیسا دور ہے جس میں مجھے سننے پڑے ساقی  
وہ لب ہوش کے طعنے 'شکستِ جام کے شکوے

اب ان بھولے ہوئے قصوں کو دہرانے سے کیا حاصل  
یہ اب کیا آپ لے بیٹھے دلِ ناکام کے شکوے

تماشا ہے کہ جن کے واسطے گردش میں تھے عالم  
انھیں بھی نہ جھنتے ہیں گردشِ ایام کے شکوے

## غزل

چاندنی میں سایہ ہائے کاخ و کو میں گھو میے  
پھر کسی کو چاہنے کی آرزو میں گھو میے

شاید اک بھولی تنہا 'منٹے منٹے جی اٹھے  
اور ابھی اس جلوہ زار رنگ دہلا میں گھو میے

روح کے در بست سناٹوں کو لے کر اپنے ساتھ  
بہمبائی محفلوں کی باؤ ہو میں گھو میے

کیا خبر 'کس سوز پر مہجور یادیں آملیں  
گھومتی راہوں پہ 'گرد آرزو میں گھو میے

زندگی کی راحتیں ملتی نہیں 'ملتی نہیں  
زندگی کا زہر پی کر جستجو میں گھو میے

کنج دوراں کو نئے اک زاویے سے دیکھیے  
جن خلاؤں میں نرا لے چاند گھو میں گھو میے

## بھکارن

تیز قدموں کی آہنوں سے بھری  
رنگور کے دو رویہ ہزد و نشت  
چار نو ہستی رنگوں کے بہشت

صد خیابان گل، کہ جن کی طرف  
دیکھتا ہی نہیں کوئی راہی !  
نرخ پھولوں سے اک لدی نہنی  
آن کر بچھ گئی ہے رستے پر  
کنکروں پر جیسے رگڑتی ہے  
راگبیروں کے پاؤں پڑتی ہے

”میں کہاں روز روز آتی ہوں  
ہے مرے کوچ کی گھڑی نزدیک“  
جانے والو! بس اک نگاہ کی بھیک“



## موجودگی

پھر آتہ دل میں کوئی موج غم مچلتی ہے  
شب خیال میں قندیل بجھ جلتی ہے  
پھر اک ادائے حجاب  
رسوم دہر کی زنجیر اتار آئی ہے  
بہار آئی ہے

رسوم دہر کی اس آتشیں فصیل کے پار  
گداز سینوں کی مخمور دھڑکنوں کے دیار  
محبوتوں کے سراپ  
کہ جن کو تیر کے آتی ہے پائلوں کی محنت  
مرے دکھے دل تک!

براک طرف ہوئے دید کے نیستاں میں  
کسی حسین سی موجودگی کی خوشبو میں  
فخار قرب کے خواب  
ہزار غم کہ جنہیں کیف شوق کی خندیں  
پیام تسکین دیں

## کہانی ایک ملک کی

راج محل کے دروازے پر  
آکے زکی اک کار  
پہلے نکلا بھدا بے ڈھب 'بودا'  
میل کچیل کا تودا  
حقہ تھامے اک میرا سی  
عمر اس کی کوئی اسی بیاسی  
چیتھے اس کا تائب 'تمبا کو بردار'  
باہر رینگے اس کے بعد قطار قطار  
عنبر بار  
نمبر دار  
ساتھ سب ان کے دم چھلے  
ایم ایل اے

رات محل کے اندر اک اک رتاسن پر  
کوڑھی جسم اور نورمی جائے  
روٹی، ہن اور گردوں پیچ نماے  
جہاں بھرے علاقے  
مانجھے گائے

بینے ہیں اپنی مٹھی میں تھامے  
ہم مظلوموں کی تقدیروں کے بنگامے  
جیوہ پہ شہد— اور جیب میں چاقو  
نسل بلا کو!

رات محل کے باہر سوچ میں ڈوبے شہر اور گاؤں  
مل کی اتی 'فولاد کے پنچے'  
گھومتے پیسے 'کڑیل باہیں'  
کتنے لوگ کہ جن کی روحوں کو سندیسے بھیجیں  
سنگھ کی سبجیں

لیکن جو ہر راحت کو ٹھکرائیں  
آگ نہیں اور پھول کھلائیں

## دیکھ اے دل!

دیکھ اے دل! کیا سماں ہے! کیا بہاریں شام ہے!  
وقت کی جھولی میں جتنے پھول ہیں! انمول ہیں  
نہر کی پٹری کے دو رویہ! مسلسل دور تک  
برگدوں پر پنچھیوں کے غل مچاتے غول ہیں

دیکھ اے دل! کتنے ارمانوں کا رس برسا گئیں  
بدلیں! جب ان پہ چھینے نور کے چھن کر پڑے  
کتنی کوئل کا مناؤں کی کہانی کہہ گئے  
پپلوں کے پیلے پیلے پات پتہ پتہ پر پڑے

دیکھ اے دل! اس رسی رت کے کتنے زوپ ہیں  
نچھو متے جھونکے ہیں! جھکتی جھاڑیوں کے جھنڈ ہیں  
ہائے ان پھیلی ہوئی پھلواڑیوں کے درمیاں  
یہ تری تپتی ہوئی تنہائیاں اور ایک میں

## غزل

جھونکوں میں رس گھولے دل  
پون چلے اور ڈولے دل

جیون کی زت کے سو روپ  
نغمے ' پھول ' جھکولے ' دل

تاروں کی جب جوت جگے  
اپنے خزانے کھولے دل

یادوں کی جب پیٹک چڑھے  
بول البیلے بولے دل

کس کی دھن ہے باورے من؟  
تیرا کون ہے؟ بھولے دل

## غزل

وہ شے جو ایک نئے دور کی بشارت ہے  
ترے لبو کی ترپتی ہوئی حرارت ہے

نظام کہنہ کے سامنے میں عافیت سے نہ بیٹھ  
نظام کہنہ تو گرتی ہوئی عمارت ہے

وطن چمکتے ہوئے کنکروں کا نام نہیں  
یہ تیرے جسم تری روح سے عبارت ہے

یہ کہہ رہی ہے صدا نوتے سلاسل کی  
کہ زندگی تو فقط اک حسیں جسارت ہے

یہ اک جھلک ہے بدلتے ہوئے زمانوں کی  
جہیں جہیں پہ ٹنکن بھی کوئی بجھارت ہے

چمن میں اہل چمن کے یہ طور ارے تو بہ  
کلی کلی کی ہنسی خندہ حقارت ہے

دلوں کی جھونپڑیوں میں بھی روشنی اترے  
جو یوں نہیں تو یہ سب سیل نور اکارت ہے

## غزل

دن کٹ رہے ہیں کش مکش روزگار میں  
دم گھٹ رہا ہے سایہ ہر بہار میں

آتی ہے اپنے جسم کے جتنے کی بو مجھے  
لہتے ہیں نلہوں کے سبب بہار میں

گزر رہا ہے جب کوئی جھونکا تو چونک کر  
دل نے کہا یہ آگئے ہم کس دیار میں

اسے رنج عافیت تجھے پا کر پتہ چلا  
کیا ہمیں تھے گردِ سر رہگزار میں

میں ایک پل کے رنجِ فراواں میں کھو گیا  
مر جھا گئے زمانے مرے انتظار میں

## غزل

امید دید دوست کی دنیا بسا کے ہم  
بیٹھے ہیں مہروماہ کی شمعیں بجھا کے ہم

وہ راستے خبر نہیں کس سمت کھو گئے  
نکلے تھے جن پہ رنیت غم دل اٹھا کے ہم

پلکوں سے جن کو چلتے زمانوں نے چن لیا  
وہ پھول اس روش پہ 'ترے نقش پا کے ہم

آئے کبھی تو پھر وہی صبح طرب کہ جب  
روٹھے ہوئے غموں سے طلیں مسکرا کے ہم

کس کو خبر کہ ڈوبتے لہجوں سے کس طرح  
ابھرے ہیں یاد یار 'تری چوٹ کھا کے ہم



## غزل

قریب دل، خروش صد جہاں ہم  
جو تم سن لو، تمھاری داستان ہم

کسی کو چاہنے کی چاہ میں غم  
یہ بن کر نگاہ تشنگاں ہم

ہر اک ٹھوکر کی زد میں لاکھ منزل  
ہمیں ڈھونڈو، نصیب گمراہاں ہم

ہمیں سمجھو، نگاہ باز والو !  
لبوں پر کانپتا حرف بیاں ہم

بجھی شمعوں کی اس جگری میں، آجہ  
اُبھرتے آفتابوں کی سماں ہم

## آورد

دھیان کا جب بھی کوئی پت کھولا  
"میری بات نہ کہہ۔۔۔" دل بولا  
دل کی بات کہی بھی نہ جائے  
ضبط کی نہیں سہی بھی نہ جائے  
نغم میں کس کا ذکر کروں اب  
فکر میں ہوں کیا فکر کروں اب  
ایک عجب الجھن میں گھرا ہوں  
کیا سوچوں ' یہ سوچ رہا ہوں



میں نے بہت کم شاعر ایسے دیکھے ہیں جن کے یہاں زندگی کی ہولناکی، تنہائی اور مقدر کی قسم آرمی کے ایسے دردناک تصورات موجود ہوں اس کے باوجود اس کے قاری کا مجموعہ تاثر انبساط میں اتکاؤں پر کر باہر آتا اور مطمئن ہوتا ہو جتنا احمد کے کلام سے ہوتا ہے۔ احمد زندگی کو اس بھراؤں کہتا ہے مگر اس کے کلام میں ریس رہا ہوا ہے کہ اس کی تاثیر قلمی ہو جاتی ہے۔

(ڈاکٹر سید عبداللہ)

مجید احمد نے جس آفاقی شعور کا مظاہرہ کیا ہے وہ اقبال کے بعد مجید احمد ہی کی نظم میں پوری طرح اظہار ہوا ہے اس طرز کے ساتھ کہ اقبال کا رویہ فلسفیانہ ہے جبکہ مجید احمد نے سائنسی سوچ سے استفادہ کیا ہے

(ڈاکٹر وزیر آغا)

مجید احمد ہمارے دور کے بڑے شاعر بھی ہیں اور اہم بھی۔ بڑے شاعر غالب، رفیع اور اقبال کے معنوں میں۔ اہم یوں کہ ان کے مطالعے کے بغیر ہمارے شاعرانہ ذوق اور فنی ارتکاز کی تربیت نامکمل رہے گی۔

(سید جعفر طاہر)

میراجی رفیع اور راشد نے اپنے مکاتب فکر کو جنم دیا ہے۔ اس عہد کے بیشتر لکھنے والے ان تینوں میں سے کسی نہ کسی کے پیچھے لمبی قطاروں میں کھڑے ہیں مگر مجید احمد نے نہ کسی کی تقلید کی ہے اور نہ کسی کو اپنی تقلید کی ترقیب دی ہے۔ مجید احمد ابھی تک بہت نیا ہے جبکہ میراجی، رفیع اور راشد پرانے ہو چکے ہیں۔

(شہزاد احمد)

فی نظم اور آزاد نظم کے سلسلے میں کچھ سکھ ہند نام بار بار دہرائے جاتے ہیں لیکن میرے نزدیک ان سب سے زیادہ اہم اور دور رس اثرات کا حامل کام مجید احمد نے کیا ہے۔ ان کی شاعری کے موضوعات، تکنیک، نظم کی فکری اور فنی ترتیب، نئے اسالیب کی طرف بے جھجک پیش قدمی اور سب سے بڑھ کر زندگی بھر ایک نئے لہجے کی تلاش کا عمل وہ بنیادیں ہیں جن پر مستقبل کی شاعری کو اپنے کاغذ و کو بلند کرنے ہیں۔

(امجد اسلام امجد)